لیکن اس دور میں علماء کا انتساب اپنے ائمہ کی طرف تقلید محض کی حد تک پہنچا ہوا نہ تھا بلکہ ان کے بعض کارنامے ایسے تھے جو ان کو نہایت بلند رتبہ اور بلند پایہ بناتے تھے۔

اس دور کے علماء کے کارنامے۔

(اولاً) تو وہ ان احکام کے علل و اسباب ظاہر کرتے تھے جن کو ان کے ائمہ نے مستنبط کیا تھا اور انہی لوگوں کو علمائے تخریج کہا جاتا ہے۔ اور تخریج مناط کے معنی یہ ہیں کہ حکم کی علت سے بحث کی جائے اور زیادہ تر علمائے حنفیہ نے یہ مشغلہ اختیار کیا تھا، کیونکہ بہت سے احکام جن کو انہوں نے اپنے ائمہ سے روایت کیا تھا، غیر معلل تھے۔ اس لیے انہوں نے ان اصول کے بیان کے متعلق اجتہاد کیا جن کو ان کے ائمہ نے اپنے استنباطات میں اختیار کیا تھا۔ ان علل کی تخریج میں علماء باہم اختلاف کرتے ہیں اور علت کے اس بیان کی وجہ سے وہ ان مسائل کے متعلق بھی فتویٰ دیتے ہیں جن کے متعلق ان کے امام کی کوئی تصریح نہیں ہے بشرطیکہ اس چیز کی علت معلوم ہو جائے جس کے متعلق ان کے امام کی تصریح موجود ہے۔ اسی موقع پر انہوں نے اصول فقہ کی ایجاد اس اجتہاد کی بناء پر کی ہے کہ ان کے ائمہ کے یہی اصول ہیں جن پر انہوں نے اپنے استنباطات کی بنیاد رکھی ہے۔ میں نے استقراء کے رو سے اپنی کتاب اصول فقہ میں اس کی تصریح کی تھی۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی کے مقدم الذکر رسالے میں مجھ کو ایسی عبارت ملی جو اس کی تائید کرتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :

"میں نے اکثر لوگوں کو پایا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ (امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے اختلاف کا بھی اس پر اضافہ کیا جا سکتا ہے) کے اختلاف کی بنیاد انہی اصول پر ہے جو کتاب بزودی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اکثر یہ اصول ان کے قول سے نکالے گئے ہیں اور میرے نزدیک تو یہ ہے کہ جو مسئلہ خاص ظاہر ہوتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہیں ہوتی، اور یہ کہ زیادت نسخ ہے، اور یہ کہ عام خاص کی طرح قطعی ہے اور کثرت رواۃ سے ترجیح نہیں ہوتی، اور غیر فقیہ راوی کی حدیث پر عمل واجب نہیں کہ اس سے رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا اور مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا بالکل اعتبار نہیں ہے اور امر کا موجب

Marfat.com

صرف وجوب ہے اور اس قسم کے اور مسائل جو ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہیں، اندیہ کہ ان کی روایت امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین سے ثابت نہیں ہے، اور ان کی مخالفت اور ان اعتراضات کے جوابات میں جو متقدمین کے استنباطات سے ان پر وارد ہوئے ہیں. تکلف کرنا، جیسا کہ بزدوی وغیرہ کرتے ہیں. ان کے مخالف اصول کی محافظت اور ان کے جوابات سے زیادہ مستحق نہیں ہے.

اس کے بعد انہوں نے ان قواعد میں سے ہر قاعدہ اور ان اعتراضات کی جو حنفیہ پر ان کے متعلق وارد ہوئے ہیں اور ان کے جوابات کی جو بہ تکلف انہوں نے دیئے ہیں. مثال دی ہے.

شافعیہ نے اس میدان کی طرف بہت کم توجہ کی ہے کیونکہ ان کے امام کے جو اصول تھے انہوں نے خود ان کو مدون کر دیا تھا اور اپنے تلامذہ کو ان کا املا کرا دیا تھا. یہی حال مالکیہ اور حنابلہ کا بھی تھا کیونکہ یہ لوگ مناظرہ کے میدانوں سے جس کا ذکر عنقریب آئے گا. بالکل الگ تھے.

(ثانیاً) مذہب کے متعلق مختلف رایوں میں ترجیح دیتے تھے جس کی دو قسمیں تھیں :

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح.

(۲) درایت کے لحاظ سے ترجیح.

روایت کے لحاظ سے ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ مذاہب سے بعض مسائل کی نقل میں اختلاف واقع ہوا ہے کیونکہ ان سے ان کے مذہب کی نقل ایک سے زیادہ آدمیوں نے کی ہے. مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے اقوال جو امام محمدؒ نے نقل کیے ہیں ان میں بعض کو انہوں نے خود امام ابوحنیفہؒ سے اخذ کیا ہے اور بعض کی روایت امام ابویوسفؒ کے ذریعہ سے کی ہے. اور امام ابویوسفؒ سے امام محمدؒ کے علاوہ اور تلامذہ مثلاً حسن بن زیادؒ اور عیسیٰ بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اور امام محمدؒ سے ان کی کتابوں کی روایت بھی ایک سے زیادہ لوگوں نے کی ہے. یہ لوگ نقل میں اختلاف رکھتے ہیں اور یہ اختلاف اس لیے پیدا ہو گیا ہے کہ یا تو نقل کرنے والوں نے ان ائمہ سے نقل کرنے میں غلطی کی ہے یا یہ کہ خود امام کو اس رائے میں تردد تھا اور وہ آج جو بات کہتا تھا اس کو کل بدل دیتا تھا. اس لیے ہر ایک شخص

Marfat.com

دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا۔ اسی طرح ہم کو نظر آتا ہے کہ امام شافعیؒ سے ربیع بن سلیمان، مزنی، حرملہ، ربیع بن سلیمی وغیرہ نقل کرتے ہیں، اور مذکورہ بالا دونوں اسباب کی بناء پر نقل میں اختلاف کرتے ہیں۔ اسی طریقہ پر امام مالکؒ سے ابن القاسم، ابن وہب، ابن الماجشون اور اسد ابن الفرات وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ اب ان مذاہب کے قائم ہو جانے کے بعد علماء کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت مرجح ہے۔ چنانچہ زیادتیٔ اعتماد کی بناء پر جس شخص کی روایت پر ان کو اطمینان حاصل ہوا اس کو انہوں نے ترجیح دے دی جیسا کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کی روایتوں کو دوسرے تلامذہ پر ترجیح دی اور خود امام محمدؒ کی روایتوں میں ان کی ان کتابوں کو ترجیح دی جن کی روایت ان سے ثقات مثلاً ابو حفص الکبیر اور جوزجانی نے کی ہے اور ان کا نام انہوں نے ظاہر الروایۃ رکھا۔ اسی طرح شافعیہ نے ربیع بن سلیمان کی روایتوں کو ترجیح دی یہاں تک کہ جب ربیع اور مزنی کی روایتوں میں تعارض واقع ہوتا ہے تو وہ ربیع کی روایتوں کو مقدم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ فقہ میں وہ مزنی کی جلالۃ پائیگی کے معترف ہیں اور ان کو ربیع پر ترجیح دیتے ہیں اور جب حرملہ کی روایتیں ان دونوں سے متعارض ہوتی ہیں تو وہ حرملہ کی روایتوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ سے ابن القاسم نے جو روایتیں کی ہیں، ان کو مالکیہ نے ان کے اور راویوں پر ترجیح دی ہے۔ خود ابن القاسم سے جو روایتیں کی گئی ہیں وہ مختلف ہیں، اس لیے وہ رواۃ کی زیادتیٔ اعتماد کی بناء پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے قسم کی ترجیح ان مختلف روایتوں میں واقع ہوتی ہے جو خود ائمہ سے ثابت ہوتی ہیں یا امام اور اس کے تلامذہ کے اقوال کے درمیان یہ ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اس قسم کی ترجیح وہ فقہاء دیتے ہیں جو اپنے ائمہ کے اصول اور طرقِ استنباط سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے ہیں جو ان اصول کے موافق یا فقہ کے دلائلِ اصلیہ یعنی کتاب، سنت اور قیاس سے قریب تر ہوتے ہیں۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ ان مرجحین کے درمیان ترجیح میں اختلاف واقع ہو۔ لیکن اہلِ ترجیح فی المذہب میں صرف اس عالم کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کے درجۂ اطلاق و تصرف کا اعتراف کیا جاتا ہے۔

(ثالثاً) ہر فریق نے اجمالاً اور تفصیلاً اپنے مذہب کی تائید کی۔ چنانچہ اجمالی طور پر اس طرح

کہ اس کے مذہب کا امام جس قدر وسیع علم، ورع صادق اور حسنِ استنباط کا ملکہ رکھتا تھا اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا جس قدر اتباع تام کرتا تھا، اس کی اشاعت کی اور ہر فریق نے اس کے متعلق بہت کچھ لکھا۔ چنانچہ تم کو علمائے مذہب میں ایسے بہت کم علماء ملیں گے جنہوں نے اپنے امام کی یہ تعریف نہ کی ہو کہ وہ امام الائمہ ہے اور کوئی امام اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ان لوگوں نے اس کے ایسے اوصاف بیان کیے جو اس کو میدان فقہ و استنباط کا شہسوار ثابت کرتے تھے۔ ان میں بعض لوگوں نے غلو کیا اور ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے۔ لیکن اس قسم کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ تفصیلی تائید کا طریقہ یہ تھا کہ ہر اختلافی مسئلہ میں اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لیے کتب خلاف کی تالیف کی جس میں اختلافی مسائل بیان کرتے تھے اور ہر حالت میں اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے تھے جس کی طرف وہ منسوب تھے۔ لیکن اکثر اوقات یہ ترجیح تکلّفِ واضح سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ دوسری حیثیت سے ان لوگوں نے زبانی مناظرات کیے اور چونکہ اس دور میں ان مناظرات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی اس لیے ہم ان مناظرات کے متعلق تمہارے سامنے ایک مستقل فصل قائم کرتے ہیں۔

مناظرات وجدل کی اشاعت گذشتہ دور میں بھی مناظرات کا وجود پایا جاتا تھا۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے اکثر ان مناظرات کا ذکر کیا ہے جو ان کے اور محمد بن حسنؒ فقیہِ عراق کے درمیان ہوئے۔ لیکن وہ عام طور پر علماء کے درمیان شائع نہ تھے اور جہاں تک بظاہر معلوم ہوتا ہے ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حکم صحیح کا استنباط کیا جائے۔ اور جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا تھا تو اپنی برائیوں کے بدلنے سے ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ لوگ اپنی رائے میں آزاد تھے اور کسی مذہب اور رائے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس دور کے مناظرات کی ابتدائی اشاعت، ان کے محرک اور ان کے نتیجہ کے متعلق حالات بالکل بدل گئے۔

ان مناظروں کی مقدار کا حال یہ تھا کہ مناظرہ کی مجلسوں کا بہت زیادہ رواج ہوا، یہاں تک کہ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جو اس قسم کی مجلسوں سے خالی ہو جو دو بڑے عالموں کے درمیان مناظرہ کی

غرض سے منعقد کی گئی ہوں، بالخصوص عراق و خراسان میں۔

مناظرہ کی یہ مجلسیں وزراء و کبراء کے سامنے منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہت سے اہلِ علم شریک ہوتے تھے اور مجالسِ عزا میں بھی ان کا انعقاد ہوتا تھا۔ (طبقات الشافعیہ تذکرہ شیخ ابو اسحاق شیرازی میں دیکھو) چنانچہ ابوالولید الباجی کہتے ہیں کہ بغداد میں رسم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسے شخص کی وفات کا صدمہ ہوتا تھا جس کو وہ معزز سمجھتا تھا تو وہ چند دن گھر کی مسجد میں بیٹھتا تھا اور اس کے ساتھ ان دنوں میں اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی بیٹھتے تھے۔ جب چند دن گذر جاتے تھے تو اس کو صبر و تسلی دیتے تھے اور اس کے معمول کے کاروبار کی طرف اس کو واپس لاتے تھے۔ لیکن یہ دن جن میں وہ اپنے پڑوسیوں اور بھائی بندوں کے ساتھ اپنی مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھتا تھا، اکثر اوقات تلاوتِ قرآن یا مسائل کے متعلق فقہاء کے مناظرے کے ساتھ کاٹے جاتے تھے۔ قواعدِ مناظرہ کے متعلق کتابیں تالیف کی گئیں اور ان کا نام "علم ادب البحث" رکھا گیا۔ پہلے مناظرہ کی مجلسیں علمِ کلام کے متعلق قائم کی جاتی تھیں اور اس نے ان لوگوں میں اس قدر تعصبات، فاحشہ اور کھلی ہوئی خصومتیں پیدا کر دیں کہ ان کی وجہ سے خونریزی اور شہروں کی بربادی کی نوبت پہنچ گئی۔ اس لیے بعض عمراء فقہی مناظرے کی طرف مائل ہوئے۔ بالخصوص ان کا میلان اس طرف زیادہ ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں جو اولیٰ ہو اس کا اظہار کیا جائے۔ اب لوگوں نے علمِ کلام اور دوسرے علوم کو چھوڑ دیا اور خصوصیت کے ساتھ ان مسائل پر جھک پڑے جو امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہ کے درمیان مختلف فیہ تھے اور امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کے ساتھ اختلاف کرنے میں تساہل سے کام لیا۔

ان لوگوں کا نفس اگرچہ ان کو یہ دھوکا دیتا تھا کہ ان مناظرات سے ان کا مقصد دقائقِ شریعت کا استنباط، علل مذاہب کا اثبات اور اصول فتاویٰ کی تمہید ہے لیکن ان کے لیے اس کا اصل محرک امراء کی خوشنودی تھی۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس معاملے میں وہی حجت ہیں کیونکہ وہ ان کے روساء میں تھے اور نہایت تیز زبان اور دقیق النظر

تھے. اس کے بعد ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھا تو انہوں نے ان دلفریب مناظر اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کیا۔ رعونت نفسیہ کے عیوب کے اظہار کے لیے ہم کو اس سے زیادہ بہتر شخص نہیں مل سکتا جو خود ان میں مبتلا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے. امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے نفس کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ طلب حق کے لیے باہمی تعاون دین ہے، کیونکہ اس کے لیے آٹھ شرطیں ہیں:

(۱) چونکہ یہ فروض کفایہ سے ہے اس لیے اس میں اس شخص کو مشغول نہیں ہونا چاہیئے جو فروض اعیان سے فارغ نہ ہوا ہو۔ اور جس شخص پر فرض عین باقی ہے اور وہ فرض کفایہ میں مشغول ہوا اور اس نے یہ خیال کیا کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ کذاب ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خود نماز کو چھوڑ کر کپڑوں کے حاصل کرنے اور ان کے بننے میں مشغول ہو جائے اور یہ کہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس شخص کی ستر پوشی کروں جو برہنہ نماز پڑھتا ہے اور کپڑا نہیں پاتا۔ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے اور اس کا واقع ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ فقیہ کا خیال یہ ہے کہ جن نوادر مسائل سے علم الخلاف میں بحث کی جاتی ہے ان کا وقوع ممکن ہے۔ لیکن جو لوگ مناظرہ میں مشغول رہتے ہیں وہ ان امور کو چھوڑ دیتے ہیں جو بالاتفاق فرض عین ہیں. جس شخص کو فی الحال دولیعت واپس کرنا ہو اور وہ نماز کو چھوڑ کر جو خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے، اس کے واپس کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو، وہ اس کے ساتھ گنہگار ہوا۔ اس لیے کسی شخص کے فرمانبردار بندہ ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ اس کا فعل طاعات کی جنس سے ہے جب تک کہ اس میں وقت، شرط اور ترتیب کا لحاظ نہ رکھے۔

(۲) مناظرہ سے زیادہ کسی فرض کفایہ کو اہم نہ سمجھے۔ لیکن اگر اس نے کسی فرض کفایہ کو اس سے زیادہ اہم سمجھا اور اس کے علاوہ دوسرے فرض کو انجام دیا تو اس فعل پر گنہگار ہوا اور اس کی مثال اس شخص کی مثال ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت دیکھی جو قریب بہ ہلاکت تھی اور لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا اور وہ پانی پلا کر ان کو زندہ رکھ سکتا تھا لیکن وہ فن حجامت کے سکھانے میں مشغول ہوا اور یہ خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ میں سے ہے، اور اگر شہر اس فن سے خالی ہو جائے گا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے. لیکن جب اس سے کہا گیا کہ شہر میں حجاموں کی ایک جماعت موجود ہے اور وہ کافی

Marfat.com

ہے تو اس نے کہا کہ یہ اس کے فرض کفایہ ہونے سے اس کو نہیں نکالتا۔ تو جو شخص ایسا کرتا ہے اور مسلمان بادیوں کی جماعت کے واقعۂ حال کو چھوڑ دیتا ہے اس کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جو مناظرہ میں مشغول رہتا ہے۔ حالانکہ شہر میں اور بھی بہت سے فروضِ کفایہ چھوٹے ہوئے ہیں اور ان کو کوئی انجام نہیں دیتا۔ ان سب سے قریب تر طب ہے۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی۔

(۲) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیے جو اپنی رائے سے فتوے دے نہ کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ حق امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں ہے تو اس مسئلہ کو چھوڑ دے جو امام شافعیؒ کی رائے کے موافق ہے اور جو رائے اس کو حق معلوم ہوتی ہے اس کے مطابق فتوے دے۔ لیکن جس شخص کو اجتہاد کا درجہ حاصل نہیں ہے، اور ہر اہلِ زمانہ کا حال یہی ہے۔ تو اس کو مناظرہ سے کیا فائدہ؟ درآنحالیکہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ دوسرے مذہب کے موافق فتویٰ نہیں دے سکتا۔

(۴) صرف اس مسئلہ کے متعلق مناظرہ کرے جو واقع ہو اور زیادہ تر قریب الوقوع ہو۔ لیکن یہ لوگ ان مسائل کے انتخاب میں، جن کی ضرورت عام طور پر پیش آتی ہے، اہتمام نہیں کرتے بلکہ صرف ان طبولیات کی جستجو کرتے ہیں جو سُنے جاتے ہیں اور اس میں جو کچھ بھی ہو، مناظرہ کی بہت زیادہ گنجائش ہوتی ہے اور جو مسائل کثیر الوقوع ہیں اُن کو بسا اوقات چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خبریہ مسئلہ ہے یا زوایا سے ہے، طبولیات سے نہیں۔

محفلوں اور اکابر و سلاطین کے سامنے سے زیادہ مناظرہ کو خلوت میں پسندیدہ ہونا چاہیئے، کیونکہ خلوت میں سمجھ میں انتشار نہیں پیدا ہوتا اور ذہن و فکر کی صفائی اور ادراکِ حق سے اس کو زیادہ موزونیت ہوتی ہے۔ مجمع کے سامنے ایسے اسباب پیش آتے ہیں جو محرکاتِ ریاء کو تحریک دیتے ہیں اور ہر شخص کے لیے چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر، اپنی مدد کرنا واجب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ مجامع و محافل کے حریص خدا کے لیے نہیں ہوتے

Marfat.com

بلکہ ان میں کوئی اپنے حریف کے ساتھ مدتوں خلوت میں رہتا ہے اور اس سے کلام نہیں کرتا اور بسا اوقات اس کے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اور وہ اس کا جواب نہیں دیتا لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر ممکن تدبیر اس کی کرتا ہے کہ اس کو خاص طور پر گفتگو کرنے کا موقع ملے۔

(۶) حق کی جستجو میں اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جو گم گشتہ چیز کی تلاش کرتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ وہ گم گشتہ چیز اس کے ہاتھ لگے گی یا اس کے معاون کو ملے گی۔ وہ اپنے رفیق کو معاون سمجھے حریف نہ سمجھے اور جب وہ اس کی غلطی بتا دے اور اس کے لیے حق کو ظاہر کر دے تو وہ اس کا شکر گذار ہو۔ لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرہ کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ جب ان میں کسی کے حریف کی زبان سے حق ظاہر ہوتا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کو شرمندگی لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے انکار میں اپنی انتہائی قدرت سے کام لیتا ہے۔ اور جو شخص اس کو چپ کر دیتا ہے عمر بھر اس کی برائی کرتا ہے۔

(۷) جس شخص سے مناظرہ کرے اس کو دلیل سے دوسری دلیل کی طرف اور ایک مثال سے دوسری مثال کی طرف انتقال کرنے کی ممانعت نہ کرے۔ اور اپنے کلام سے مناظرۂ مبتدعہ کے تمام مفید و مضر دقائق کو نکال ڈالے۔ مثلاً اس کا یہ قول کہ "اس کا ذکر میرے لیے ضروری نہیں" اور "یہ میرے پہلے کلام کے مناقض ہے اس لیے مجھ سے قبول نہیں کیا جائے گا۔" کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے مناقض ہے اور حق کا قبول کرنا واجب ہے۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ تمام مخلوق کا خاتمہ مدافعات و مجادلات پر ہوتا ہے۔

(۸) ایسے شخص سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی توقع ہو اور وہ علم میں مشغول ہو۔ لیکن اکثر یہ لوگ فحول و اکابر کے مناظرے سے اس ڈر سے احتراز کرتے ہیں کہ حق ان ہی کی زبان سے ظاہر ہوگا اور ان سے کم درجہ کے لوگوں کی طرف مائل ہوتے ہیں تاکہ ان میں اپنے باطل کو رواج دے سکیں۔ الخ (ملخصاً)

اس کے بعد امام غزالیؒ نے اس کے ساتھ ایک اور فصل شامل کی ہے جس میں مناظرہ کی

Marfat.com

آفتیں بیان کی ہیں اور ان میں حسب ذیل آفتوں کو بیان کیا ہے :

(۱) حسد ۔

(۲) لوگوں پر تفوق حاصل کرنا یہاں تک کہ یہ لوگ بعض مجالس میں بلندی، پستی اور صدر کے مسند سے قرب و بعد اور تنگ راستوں میں پہلے داخل ہونے کی خواہش پر جھگڑتے ہیں ۔ اور ان میں بعض غبی اور مکار لوگ یہ حیلہ تراشتے ہیں کہ وہ علم کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں اور مسلمان کو اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس بناء پر یہ لوگ تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی تعبیر مذہب کی عزت سے کرتے ہیں تاکہ ایک نام میں تحریف کریں اور لوگوں کو اس کے ذریعہ سے گمراہ کردیں ۔

(۳) حقد یعنی سخت اور مخفی دشمنی جس سے تقریباً کوئی مناظر خالی نہیں ہوتا۔

(۴) غیبت، کیونکہ ہر مناظر اپنے حریف کے کلام کی نقل اور اس کی مذمت ضرور کرتا ہے ۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنا تحفظ اس قدر کرتا ہے کہ اس کی نقل و حکایت میں صداقت سے کام لے اور اس سے نقل کرنے میں جھوٹ نہ بولے۔ لیکن لازمی طور پر اس سے ایسی چیزیں نقل کرتا ہے جن سے اس کے کلام کا قصور، اس کا عجز اور اس کے فضل کا نقصان ثابت ہو اور اسی کا نام غیبت ہے۔

(۵) تجسس اور لوگوں کی برائیوں کا ٹوہ لگانا۔ کوئی مناظر اپنے ہم سروں کی لغزشوں کی تلاش اور اپنے حریفوں کی برائیوں کے ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب اس کو اپنے شہر میں کسی مناظر کے آنے کی خبر ہوتی ہے تو وہ ایسے شخص کی جستجو کرتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی خبر دے اور وہ سوال کر کے اس سے نتائج نکالتا ہے جن کو بوقت ضرورت اس کی رسوائی اور شرمساری کے لیے اپنے لیے ایک سرمایہ خیال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے بچپن کے حالات اور اس کے بدن کے عیوب تک کا انکشاف کرتا ہے تاکہ اس کی کسی لغزش یا اس کے کسی عیب مثلاً گنج وغیرہ پر مطلع ہو جائے۔ پھر جب اس کا ادنیٰ سا غلبہ بھی محسوس کرتا ہے تو اگر وہ رکھ رکھاؤ کا آدمی ہوتا ہے تو تعریضاً اس کا اظہار کرتا ہے اور اس کی یہ تعریض مستحسن خیال کی جاتی ہے، اور

Marfat.com

گالی گلوچ کے لطائف میں شمار کی جاتی ہے لیکن اگر وہ سفیہ اور مسخرا ہوتا ہے تو علانیہ اس کا اظہار کرتا ہے، جیسا کہ اکابر مناظرین سے منقول ہے۔

(۶) لوگوں کے رنج سے خوشی اور ان کی خوشی سے رنج۔ کیونکہ جو شخص اظہارِ فضل کے ذریعہ سے تفاخر حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو اپنے مقابل حریفوں کے رنج پر لازمی طور پر مسرت ہوتی ہے۔ ان کے درمیان سوتوں کی طرح بُغض ہوتا ہے، جس طرح ایک سوت دوسری سوت کو جب دُور سے دیکھتی ہے تو اس کا جسم کانپنے لگتا ہے اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے، اسی طرح جب ایک مناظر دوسرے مناظر کو دیکھتا ہے تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے اور اس سے اس کو اضطراب لاحق ہو جاتا ہے اور ایسی ناگواری کا اظہار کرتا ہے گویا وہ شیطان یا کسی درندہ جانور کو دیکھتا ہے۔

(۷) نفاق جس پر یہ لوگ مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ حریفوں، ان کے دوست اور ان کے ساتھیوں سے ملتے ہیں اور مجبوراً زبان سے دوستی، شوق، اور ان کے مرتبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن مخاطب اور مخاطَب اور ہر وہ شخص جو اُن سے سنتا ہے، جانتا ہے کہ یہ جھوٹ، زور، نفاق اور فجور ہے کیونکہ یہ لوگ زبان سے دوست اور دل سے باہم دشمن ہیں۔

(۸) حق سے رُوگردانی، اس کی کراہت اور اس کے متعلق جھگڑنا، یہاں تک کہ مناظر کے لیے سب سے زیادہ مبغوض چیز یہ ہے کہ اس کے فریق کی زبان سے حق کا اظہار ہو اور جب وہ اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ اپنی انتہائی کوشش سے اس کے انکار کے لیے مستعد ہو جاتا ہے اور اس کے رَد کرنے کے لیے انتہائی مکر، فریب اور حیلہ سے کام لیتا ہے تا آنکہ حق کے متعلق جھگڑنا اس کی طبعی عادت بن جاتا ہے۔ اس لیے جب کوئی کلام سنتا ہے تو اس کی طبیعت میں اس پر اعتراض کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس حد تک کہ ادلّہ قرآن اور الفاظِ شرع کے متعلق بھی اس کے دل پر اس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ ایک کو دوسرے سے مخلوط کر دیتا ہے۔

(۹) ریاء، لوگوں کا لحاظ اور ان کے دل اور ان کے چہروں کے مائل کرنے کی کوشش۔ ریاء ایک ایسا سخت فرض ہے جو اکبر الکبائر کا محرک ہوتا ہے اور مناظر کا مقصد صرف یہ ہوتا

Marfat.com

ہے کہ لوگوں میں نمایاں ہو اور لوگ اس کی تعریف کریں۔

مناظرہ کے یہ عظیم الشان نتائج ہیں جو فقہاء کو اس سطح سے گرا دیتے ہیں جس پر متمکن ہونا چاہیئے کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ ہیں اس لیے ان میں کامل ترین اخلاقی اوصاف ہونے چاہئیں۔ لیکن ان مناظرات نے جو خالصۃً لوجہ اللہ نہ تھے ان میں بہت سے فقہاء کو اس حالت تک پہنچا دیا ہے جس کی شرح ایک ایسے شخص نے کی ہے جو اسی حالت میں مبتلا تھا۔ خدا اس کو معاف کرے۔

ابن سبکی نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ ابوحیان توحیدی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوحامد غزالی کو طاہر عبادانی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "جو کچھ تم مجھ سے مجلس مناظرہ میں سنتے ہو اس کو بہت نہ کھو کیونکہ اس میں جو گفتگو ہوتی ہے اس سے حریف کو چمکہ اور مغالطہ دینا اور اس کی تردید کرنا اور اس پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے ہم خالصۃً لوجہ اللہ تعالیٰ گفتگو نہیں کرتے۔ اگر ہمارا یہ مقصد ہوتا تو طویل گفتگو سے زیادہ ہم خاموشی کی طرف سرعت کے ساتھ قدم بڑھاتے۔ اگرچہ زیادہ تر اس گفتگو میں خدا کا غضب لے کر لوٹتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہم خدا کی رحمت کی وسعت کے بھی متوقع ہوتے ہیں۔

مذہب اسماعیلی | اس دور کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مصر اور اس کے ملحق شہروں میں مذہب اسماعیلی کا ظہور ہوا جو شیعوں کے مذاہب میں سے ان لوگوں کا مذہب ہے جنہوں نے اسماعیل بن جعفر صادقؒ کے ساتھ موالات کی اور ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر المعروف بالکاظم کو چھوڑ دیا۔ اس لیے عالم اسلامی میں ان کے تین مذہب یعنی زیدیہ، امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ قائم ہو گئے۔ یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے باہم مخالف ہیں لیکن ان سب میں حریت کا شیرازہ سب کو ایک سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہے۔ جب معز لدین اللہ قاہرہ میں آیا، جس کی بنیاد اس کے آنے سے پہلے پڑ گئی تھی، لیکن وہ اس کے نام سے منسوب ہوا، تو اس کے ساتھ اس کا سب سے بڑا عالم اور اسماعیلیہ فرقہ کا فقیہ موجود تھا۔ وہ مصر کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں اس لقب کا رواج ہوا، اور نہ اس کے پہلے دار الخلافۃ الکبریٰ، بغداد میں وہ صرف قاضی اکبر تک

Marfat.com

محدود تھا۔ یہ قاضی لوگوں کے درمیان وراثت اور دوسرے مسائل میں مذہب اسماعیلیہ کے موافق فیصلہ کرتا تھا اور عترت کی وراثت کا طریقہ بہت سے مسائل میں جمہور کے طریقۂ وراثت سے مختلف تھا جن میں سب سے اہم یہ مسئلہ ہے کہ ان کے یہاں عصبیہ اور عول نہیں ہے۔ بلکہ وہ لوگ اقربیت کو عصبیت کے قائم مقام بناتے ہیں اور جو شخص میت سے جس قدر زیادہ قریب ہوتا ہے اسی ترتیب سے وراثت دلاتے ہیں چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اس لیے ان کے نزدیک پہلا درجہ ماں باپ اور لڑکوں کا اور دوسرا درجہ دادا بھائی اور بہنوں کا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ اور دُور کا رشتہ دار قریبی عزیز دار کے ساتھ وراثت نہیں پاتا مثلاً اگر میت ایک لڑکی چھوڑ جائے اور اس کے ساتھ باپ یا ماں میں سے کوئی نہ ہو تو وہ پورے مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ آدھے کی فرض کے ساتھ اور آدھے کی رد کے ساتھ۔ اس طریقہ پر فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے باپ کی میراث میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔ اور ماں کے ساتھ بھائی یا بہن میں سے کوئی وراثت نہیں پاتا اور عترت کے اس قول کی بناء پر کہ میراث کا اصول قربت ہے، وہ لوگ حقیقی چچا کے لڑکے علاّتی (علم الاب) چچا پر مقدم کرتے ہیں، حالانکہ چچا چچا کے لڑکے سے زیادہ قریبی ہے اور اس پر طائفہ محققہ کے اجماع سے استدلال کرتے ہیں۔ اس اصول کے موافق ان کے اور بہت سے مسائل ہیں جو جمہور کے مخالف ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول لیا ہے کہ فرائض کو اہلِ فرائض کے حوالے کرو۔ اس کے بعد جو بچ جائے وہ اس مرد کو دو جو قریب ترین رشتہ دار ہو اور بعض اصحابِ فروض پر کمی کے داخل کرنے سے عول سے بچ گئے۔

اس مذہب پر قضاءت مصر کی ترتیب کے ساتھ ان کے علماء جامع ازہر میں جس کو انہی نے قائم کیا تھا، اس کا درس دیتے تھے اور اس غرض سے اس مذہب میں کتابیں تالیف کی گئی تھیں اور وہ علماء وطلبہ کو ماہوار وظائف دیتے تھے اور اس کو دعوت کا ایک ذریعہ بنالیا تھا۔ داعی دعاۃ اور اس کے اعوان کا کارنامہ اس پر مستزاد تھا، کیونکہ وہ مذہب اسماعیلی کے اختیار

Marfat.com

کرنے کی طرف نہایت سرگرمی کے ساتھ عوام کو مائل کر رہے تھے۔ لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے نتیجۂ مطلوبہ حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب عوام کے دلوں میں بہت اچھی طرح راسخ ہو گئے تھے۔ اس لیے ان دونوں مذاہب کے باطل یا ضعیف کرنے کے لیے کوئی قطعی کام جاری نہ کیا جا سکا اور مصر کی قدیم جامع مسجد میں ان دونوں مذاہب کے عالموں کے حلقہ ہائے درس برابر قائم رہے۔

اخیر میں مستنصر کا وزیر ابو احمد بن الافضل اس پر مجبور ہوا کہ اس معاملے میں نرمی سے کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن میں ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے مذہب کے مطابق وراثت دلوائے۔ ایک قاضی اسماعیلی ہو، ایک امامی ہو، ایک مالکی ہو اور ایک شافعی ہو اور ۵۲۵ھ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں متعدد قاضی مقرر کیے گئے۔ جب اس سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو ۵۴۷ھ میں ابو المعالی محلی بن جمیع الشافعی صاحب الذخائر قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ اور جب صلاح الدین عاضد کا وزیر ہوا تو دولتِ اسماعیلیہ کے مظاہرہ کو مٹا دیا۔ اس کے قاضی جلال الدین بن ہبۃ اللہ بن کامل صوری کو موقوف کیا اور ۵۶۶ھ میں صدر الدین عبد الملک بن درباس الکردی الشافعی کو قاہرہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ صلاح الدین نے مصر میں مذہب اسماعیلی کے ساتھ جنگ کی اور اس کا نام و نشان تک باقی نہیں چھوڑا۔ ہمارے اور اسماعیلیوں کے درمیان تمام تعلقات منقطع کر دیئے یہاں تک کہ فقہ یا اس کے علاوہ اور علوم میں ہم ان کی کسی کتاب سے واقف نہیں ہو سکتے۔ شافعیہ میں قضاءت کا عہدہ برابر قائم رہا لیکن جب ظاہر بیبرس آیا تو اس نے تعدد قضاۃ کی بدعت کا دوبارہ اعادہ کیا لیکن ان کو جمہور کے مذاہب شافعی، مالکی، حنفی اور حنبلی میں سے مقرر کیا۔

ہم یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مصر میں اسماعیلی مذہب کی اشاعت میں کس قدر کامیابی ہوئی اور خواص امت میں سے کس قدر لوگوں نے اس کو اختیار کیا۔ البتہ ہم یہ جانتے ہیں کہ عوام پر اس کا اثر کم ہوا کیونکہ مظاہر اسماعیلیہ اور ان کے عقائد سے نفرت کرنے کی خبریں ان سے مروی ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قضاء نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو کفر و الحاد کی علامت قرار دیا اس لیے

عوام نے اس سے نفرت ظاہر کی اور دعوت کے طریقۂ اخفا نے اس نفرت کو اور بڑھا دیا اور اس سے ان کے اس اعتقاد کو اور تائید ہوئی کہ وہ اس دین سے خارج ہے جس کو انہوں نے اپنے ائمہ اور علماء سے وراثۃً پایا ہے۔

تعصبات مذہبی کی اشاعت گذشتہ دور میں جس بے تعصبی کی روح نے غلبہ پایا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اختلاف مذاہب کا یہ اثر نہ ہو کہ مختلف مذاہب کے لوگ باہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں۔ چنانچہ ایک شہر میں دو یا اس سے زائد مجتہد ہوتے تھے اور ہر ایک اپنے رفیق کے لیے اجتہاد کو جائز رکھتا تھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔ زیادہ تر جو چیز دیکھنے میں آتی تھی وہ یہ تھی کہ ایک کسی مسئلہ میں دوسرے کی غلطی نکالتا تھا اور اس پر جو نکتہ چینی کرتا تھا اس کے پاس لکھ کر بھیج دیتا تھا یا اس کے متعلق اس سے زبانی گفتگو کر لیتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہر ایک دوسرے کا احترام بلکہ اس کی محبت اور تعریف کرتا تھا۔ چنانچہ امام لیث بن سعدؒ نے امام مالک بن انسؒ کو جو خط لکھا تھا اس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اور امام شافعیؒ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے مسائل پر تنقید کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے دست نگر ہیں۔ وہ امام محمدؒ کی اکثر تعریف کرتے تھے حالانکہ مناظرے میں وہ ان کے سب سے بڑے حریف تھے اور امام احمد بن حنبلؒ سے، جو فقہ میں ان کے شاگرد تھے، کہتے تھے کہ جب تمہارے نزدیک حدیث صحیح ہو تو مجھے اس کی اطلاع دو اور جب حدیث کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے، امام مالکؒ روشن ستارہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فقہاء و ائمہ اطہار کے اوپر بے تعصبی اور محبت کی روح کا غلبہ تھا اور وہ اس معاملہ میں اپنے اسلاف صحابہؓ اور تابعینؒ کے مقلد تھے۔ لیکن اس دور نے جس میں تقلیدی روح سرایت کر گئی فقہاء کو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اپنے ائمہ کے مسائل کی مدافعت پر آمادہ کیا اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے سامنے مناظرہ کے میدان میں گرم جولان ہوں۔ جس نے اس نتیجہ تک پہنچایا جس کو امام غزالیؒ نے ناپسند کیا ہے۔ ہر فریق جن مسائل کی مدافعت اور ان کے متعلق مناظرہ کرتا تھا، اس کے متعلق تعصب کرنے لگا اور دوسرے کو جیسا کہ وہ خصم کے لفظ سے تعبیر کرتا تھا، اپنا دشمن سمجھنے لگا۔ عوام نے بھی

Marfat.com

اس معاملہ میں ان کی تقلید کی اور تقریباً اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر ایک اپنے مخالف مذہب کی تقلید کر اس قاعدے کے بموجب کہ "تقلید میں مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے، امام کے مذہب کا نہیں"، حرام قرار دے۔ لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ قاعدہ کب ایجاد ہوا۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ شافعیہ کی اکثر نمازیں ایک حنفی کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں کیونکہ ایک شافعی اپنے جسم سے خون نکلنے کی وجہ سے وضو نہیں کرتا، اس لیے کہ اس سے اس کے امام کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح ایک حنفی ایک اجنبی عورت کے چھونے سے وضو نہیں کرتا کیونکہ اس سے اس کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور وہ سورہ فاتحہ کی قراءت کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں کہتا، حالانکہ وہ امام شافعیؒ کے نزدیک سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے جس کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس سے اور اس قسم کے اور مسائل سے جب ایک مقتدی اپنے مخالف مذہب رکھنے والے کی اقتدا کرتا ہے تو اس کے دل میں شک پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ ایسا کیونکر کہتے ہیں حالانکہ اجتہاد و اختلاف میں ائمہ نے بے تعصبی برتی ہے اور یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایک مجتہد کا اجتہاد جس نتیجہ تک پہنچائے اس کے لیے اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کے دوسرے نتیجہ کی طرف متجاوز ہونا جائز نہیں۔ اس نظریہ کا اقتضاء یہ ہے کہ میں ہر مجتہد کی نماز کو صحیح سمجھتا ہوں اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقتدا میں امام کے مذہب کا اعتبار ہے مقتدی کے مذہب کا اعتبار نہیں۔ لیکن مذہبی تعصبات نے جماعتوں کے درمیان سختی کے ساتھ حدِ فاصل قائم کر دی اور بعض فقہاء نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ آپس میں ایک دوسرے پر یہ اتہام لگایا کہ بعض مسائل میں ان کے ائمہ نے صریح کتاب و سنّت کی مخالفت کی ہے۔ اور اس پر یہ قاعدہ بنایا کہ اگر قاضی ان کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائے گا۔ لیکن یہ مسائل محلِّ اجتہاد نہیں ہیں۔ بہرحال ہم اس موضوع کو طوالت دینا نہیں چاہتے اور ہم نے اس کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے کہ وہ آثارِ تقلید میں سے ایک قدرتی اثر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم یہ دعویٰ کیوں کرتے ہو کہ یہ تقلید کا اثر ہے حالانکہ ابنِ حزم اندلسی نے جو پانچویں صدی میں تھے، تقلید کو بالکل چھوڑ دیا تھا اور اجتہادِ مطلق کے مدعی تھے، باوجود اس کے ان سے زیادہ تیز زبان اور اپنے مخالفین کے متعلق ان سے زیادہ سخت گو ہم نے کسی فقیہ کو نہیں دیکھا۔ چنانچہ فقہ

Marfat.com

ہیں ان کی کتاب الاحکام لاصول الاحکام اور تحلی کو پیش نظر رکھ کر تم اس کا اندازہ کر سکتے ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ باوجود دعوئ اجتہاد کے تقلید کی حقیقت سے باہر نہیں تھے کیونکہ وہ داؤد ظاہری کے مذہب کے داعی تھے اور ان کے مذہب کی تائید کرتے تھے۔ ان کے شہر کے علماء نے جو ان کی عداوت و خصومت کی اس نے ان کو اور تنگ دل بنا دیا۔ اس بناء پر انہوں نے اپنے قلم کو مطلق العنان کر دیا اور ان پر سخت حملے کیے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس طریقے سے ان پر غلبہ حاصل کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو اور اپنی رایوں کو تباہ و برباد کر دیا، یہاں تک کہ ان کی حیات و ممات دونوں میں ان کا کوئی اثر قائم نہ ہو سکا، حالانکہ ان کی وسعت اطلاع اور قوت فکر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس دور کے فقہاء اس دور کے فقہا اپنے ائمہ کے مذاہب کے مکمل کرنے والے خیال کیے جاتے ہیں کیونکہ ان ائمہ سے جو مختلف روایتیں مروی تھیں انہوں نے ان کے درمیان ترجیح دی، ان کے وجوہ و علل ظاہر کیے اور جن مسائل کے متعلق ان ائمہ کی تصریحات موجود نہ تھیں ان علل پر قیاس کر کے ان کا فتویٰ دیا۔ اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان مشاہیر کا تذکرہ کریں، جنہوں نے کتابیں لکھیں اور جو کچھ لکھا وہ دور اخیر میں ان کے بعد والوں کے لیے بنیاد ہو گیا۔ اس سلسلے کی ابتدا ہم فقہائے حنفیہ سے کرتے ہیں اور ہم نے ان میں سے بیس فقیہ منتخب کیے ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

کبار فقہائے حنفیہ (۱) ابوالحسن عبید اللہ بن الحسن الکرخیؒ جو عراق میں حنفیہ کے سردار اور ان کے اکابر کے استاد تھے۔ مختصر اور امام محمد بن حسن کی جامع صغیر اور جامع کبیر کی شرح لکھی۔ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ وہ اس دور کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ لوگوں نے ان کا شمار مجتہدین فی المسائل میں کیا ہے۔

(۲) ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاصؒ کرخی کے شاگرد تھے اور ان کے بعد سردار ہوئے۔ مختصر کرخی، مختصر طحاوی، جامع امام محمد کی شرح کی ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں ہے اور ایک کتاب ادب القضاۃ ہے۔ انہوں نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابوجعفر محمد بن عبداللہ البلخی الہندوانیؒ۔ وہ چھوٹے ابوحنیفہ کہے جاتے تھے اور بلخ کے

ائمہ میں سے تھے۔ ۳۶۳ھ میں بخارا میں وفات پائی۔

(۴) ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی المشہور بامام الہدیٰ۔ ہندوانی کے شاگرد تھے۔ نوازل، العیون والفتاویٰ اور خزانۃ الفقہ تصنیف کی اور جامع صغیر کی شرح لکھی۔ ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوعبداللہ یوسف بن محمد البرجانی۔ کرخیؒ کے شاگرد تھے۔ چھ جلدوں میں خزانۃ الاکمل تالیف کی اور زیادات، جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرح لکھی۔ خزانۃ الاکمل تمام اصحاب کی تصنیفات کی جامع ہے۔ کافی حاکم سے ابتدا کی ہے۔ پھر جامع صغیر، جامع کبیر، پھر زیادات، پھر مجرد منتقی، مختصر کرخی، شرح طحاوی اور عیون المسائل کو بہ ترتیب جمع کیا ہے۔ انہوں نے ۳۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابوالحسن احمد بن محمد القدوری البغدادیؒ۔ وہ مختصر مشہور کے مصنف ہیں۔ مختصر کرخی کی شرح لکھی ہے اور کتاب التجرید تصنیف کی ہے جو غیر مدلل طور پر ان مسائل پر مشتمل ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ وہ مناظرے میں حسن العبارۃ تھے اور شیخ ابوحامد اسفرائنی الشافعی سے مناظرہ کرتے تھے۔ انہوں نے ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) ابوزید عبیداللہ بن عمر الدبوسی السمرقندیؒ۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم خلاف کو ایجاد کیا۔ ان کی سب سے بڑی تصنیف اسرار ہے اور نظم فی الفتاویٰ اور کتاب تقویم الادلہ بھی ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ مناظرہ اور دلائل کے استخراج میں وہ ضرب المثل تھے اور سمرقند اور بخارا میں انہوں نے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مناظرات کیے ہیں۔ انہوں نے ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابوعبداللہ الحسین بن علی الصمیریؒ۔ وہ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے اور حسن العبارۃ اور جید النظر تھے۔ ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوبکر خواہرزادہ محمد بن الحسین البخاریؒ۔ وہ عظمائے ماوراء النہر میں تھے۔ مختصر، تجنیس اور مبسوط تصنیف کی اور ۴۳۳ھ میں وفات پائی۔ خواہرزادہ کے معنی ہیں "عالم کا بھانجا" کیونکہ وہ قاضی ابوثابت محمد بن بخاری کے بھانجے تھے۔

(۱۰) شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد الحلوانی البخاریؒ مصنف مبسوط۔ وہ اپنے وقت میں اہل بخارا کے

Marfat.com

امام تھے۔ ۴۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسیؒ۔ وہ حلوانی کے شاگرد تھے اور مجتہدین فی المسائل میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ امام، علامہ، حجت، متکلم، مناظر، اصولی اور مجتہد تھے۔ انہوں نے آذرجند کے قید خانے میں پندرہ جلدوں میں مبسوط کا املاء کرایا کیونکہ انہوں نے خاقان کو ایک نصیحت کی تھی اور اس جرم میں ایک کنویں میں قید کر دیئے گئے تھے۔ وہ اس کنویں میں بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے املاء کراتے تھے اور ان کے تلامذہ کنویں کے اوپر بیٹھتے تھے۔ اصولِ فقہ میں ایک کتاب شرح سیر کبیر اور شرح مختصر طحاوی ان کی تصنیفات سے ہیں اور ان کی مبسوط حاکم شہید کی کافی کی شرح ہے جو مصر میں چھپ گئی ہے۔ انہوں نے پانچویں صدی کے اخیر میں وفات پائی۔

(۱۲) ابو عبداللہ محمد بن علی الدامغانیؒ۔ عراق میں حنفیہ کی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوگیا۔ وہ صیمری اور قدوری کے شاگرد ہیں۔ بغداد میں قاضی مقرر ہوئے۔ ۴۲۰ھ میں دامغان میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔ ابو الطیب الشافعی ان کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بہت سے تلامذہ میں وہ امام شافعیؒ کے مذہب کے زیادہ عالم ہیں۔ وہ شیخ ابو اسحاق شیرازی الشافعیؒ سے مناظرہ کرتے تھے۔

(۱۳) علی بن محمد البزدویؒ۔ گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی اور جامع کبیر اور جامع صغیر کی شرح کی۔ وہ اصول کی ایک کتاب کے جو اصول بزدوی کے نام سے مشہور ہے، مؤلف ہیں اور فقہ میں غناء الفقہاء ان کی تصنیف ہے۔ وہ حدود ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) شمس الائمہ بکر بن محمد الزرنجریؒ۔ وہ بڑے امام اور حفظ مذہب میں ضرب المثل تھے۔ ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم سیکھا اور ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل الصفارؒ، وہ قاضی خاں کے استاد تھے۔ ان کے تمام آباء و اجداد اکابر فقہاء میں تھے۔ انہوں نے ۵۴۳ھ میں بخارا میں وفات پائی۔

(۱۶) طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی النصاب۔ وہ ماوراء النہر میں حنفیہ کے شیخ اور اکابر مجتہدین فی المسائل میں تھے۔ ان کی مؤلفات میں خزانۃ الواقعات ہے۔

انہوں نے ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق والوالجی فتاوی والوالجیہ انہی کا ہے۔ انہوں نے ۵۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۱۸) ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الملقب بملک العلماء۔ وہ کتاب البدائع کے مؤلف ہیں جو ایک خوش ترتیب کتاب ہے۔ انہوں نے اپنے شیخ علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی کی کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھی ہے۔ انہوں نے ۵۸۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی المعروف بقاضی خان بہت بڑے امام تھے۔ مشہور متداول فتاوے، واقعات، امالی اور مجامع کو تالیف کیا اور زیادات، جامع صغیر اور خصاف کے ادب القضاۃ وغیرہ کی شرح لکھی۔ ۵۹۲ھ میں وفات پائی۔ وہ طبقۂ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیے جاتے ہیں۔ تصحیح قدوری میں قاسم بن قطلوبغا کا قول ہے کہ "قاضی خان کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔

(۲۰) علی بن ابی بکر عبدالجلیل الفرغانی المرغینانیؒ صاحب الہدایہ۔ وہ امام، فقیہ اور حافظ تھے اور کتاب المنتقی، نشر المذہب، تجنیس، مناسک الحج، مختارات النوازل اور کتاب الفرائض ان کی تصنیفات سے ہیں۔ انہوں نے ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔

کبار فقہائے مالکیہ (۱) محمد بن یحییٰ بن لبابۃ الاندلسیؒ۔ اپنے معاصرین میں مذہب کے سب سے زیادہ حافظ، عقدِ شروط کے عالم اور ان کے علل کے ماہر تھے۔ فتویٰ و فقہ میں ان کے اختیارات مذہب کے دائرے سے باہر ہیں۔ فقہ میں ان کی متعدد تصنیفات ہیں مثلاً منتخبہ اور کتاب الوثائق۔ ابن حازم فارسی کہتے ہیں کہ "ان کی کتاب منتخبہ کے مثل ہمارے اصحاب کی کوئی تصنیف نہیں۔" ان کا مقصد مسائلِ مدقہ کی شرح ہے۔ انہوں نے ۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۲) بکر بن العلاء القشیری۔ وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے پھر مصر میں چلے آئے۔ قاضی اسماعیل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً کتاب الاحکام

Marfat.com

اسماعیل بن اسحاق کی کتاب کا اختصار ہے اور اس پر اضافہ ہے، کتاب الرد المزنی، کتاب اصول الفقہ اور کتاب القیاس وغیرہ۔ انہوں نے ۲۴۴ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو اسحاق محمد بن القاسم بن شعبان العسقی۔ اپنے وقت میں مصر کے فقہائے مالکیہ کے سردار تھے ان میں امام مالکؒ کے مذہب کے سب سے زیادہ حافظ تھے۔ لیکن ان کی کتابوں میں امام مالکؒ کے غریب قول اور ان لوگوں کے اقوال شاذہ ہیں جو امام مالکؒ کے تلامذہ میں مشہور نہیں ہیں اور ان کے ثقات اصحاب نے ان کی روایت نہیں کی ہے۔ انہوں نے امام مالکؒ کے مذہب کا استقراء کیا اور فقہ میں کتاب الزاہی الشعبانی تالیف کی۔ انہوں نے ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔

(۳) محمد بن حارث بن اسد الخشنیؒ۔ انہوں نے قیروان میں فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر اندلس میں آئے اور وہاں کے علماء سے سنا اور قرطبہ میں توطن اختیار کر لیا۔ وہ فقہ کے حافظ، اس میں متقدم، فتویٰ کے عالم، مسائل میں عمدہ قیاس کرنے والے تھے۔ امام مالکؒ کے مذہب میں اختلاف و اتفاق کے متعلق ایک کتاب اور ایک کتاب امام مالکؒ کی اس رائے کے متعلق لکھی جس میں ان کے تلامذہ نے ان سے اختلاف کیا ہے، اور کتاب الفتیا وغیرہ لکھی۔ انہوں نے ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو بکر محمد بن عبداللہ المعیطی الاندلسیؒ۔ وہ فقہ کے حافظ اور امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے۔ انہی نے امیر المومنین حکمؒ کے لیے ابو عمر الاشبیلی کے ساتھ کتاب الاستیعاب کی تکمیل کی جس کی وجہ یہ تھی کہ قاضی اسماعیل کے بعض تلامذہ نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تھا اور اس کی تبویب کی تھی۔ اور اس کو خاصۃً امام مالکؒ کے اس قول کا، جس میں ان کے کسی شاگرد کا قول ان سے اختلافِ روایت میں شریک نہیں تھا، مجموعہ بنایا تھا۔ مؤلف نے اس کی پانچ جلدیں لکھ لی تھیں لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ لیکن جب حکمؒ کو یہ کتاب ملی تو اس کو دیکھ کر اس نے بہت پسند کیا اور اس کی تکمیل کرانی چاہی۔ چنانچہ اس کے لیے معیطی اور ابو عمر کو بلایا اور ان دونوں نے سو جلدوں میں اس کی تکمیل کی۔ معیطی نے ۳۶۷ھ میں وفات پائی۔

(۶) یوسف بن عمر بن عبدالبرؒ۔ وہ علمائے اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت

بڑے محدث تھے۔ کتاب الاستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من معانی آثار تصنیف کی۔ جس میں مؤطا کے طرز و ابواب کے موافق اس کی شرح کی۔ فقہ میں کتاب الکافی وغیرہ لکھی جو ان کی مہارت پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے ۳۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۷) ابو محمد عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمٰن النفزی القیروانی۔ وہ اپنے وقت میں مالکیہ کے امام، ان کے پیشوا، امام مالکؒ کے مذہب کے جامع اور ان کے اقوال کے شارح تھے۔ لوگ اطرافِ ملک سے ان کے پاس سفر کر کے آتے تھے۔ ان کے تلامذہ نہایت برگزیدہ ہوئے اور ان سے بہت سے لوگوں نے علم سیکھا۔ انہی نے مذہب کی تلخیص کی۔ وہ مالک الصغیر یعنی چھوٹے مالک کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے نوادر، الزیادات علی المدونہ، مختصر المدونہ، تہذیب العتبیہ اور کتاب الرسالہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور کتابیں ہیں۔ انہوں نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو سعید خلف بن ابی القاسم الازدیؒ المعروف بالبراذعی۔ وہ ابو محمد بن ابی زید اور قابسی کے اکابر تلامذہ اور حفاظِ مذہب میں ہیں اور ان کی تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب التہذیب فی اختصار المدونہ ہے۔ اس میں انہوں نے اختصار ابو محمد کے طریقہ کی پیروی کی ہے لیکن اس کو مدونہ کے طرز پر بلایا ہے اور ابو محمد نے جو اضافہ کیا تھا اس کو حذف کر دیا ہے۔ مغرب اور اندلس میں اسی کتاب پر لوگوں کا اعتماد تھا۔ ان کی تصنیفات میں کتاب التمہید لمسائل المدونہ بھی ہے جو اختصار ابی محمد اور ان کی زیادات کے طرز پر ہے۔ کتاب اختصار الواضحہ بھی ان کی تصنیف ہے۔

(۹) ابو بکر محمد بن عبداللہ الابہریؒ۔ امام مالکؒ کے مذہب کی شرح، ان کے موافق استدلال کرنے اور ان کے مخالف کی تردید میں ان کی تصنیفات ہیں۔ وہ اپنے وقت میں اپنے تلامذہ کے امام، ثقہ، ثبت اور مشہور تھے۔ بغداد میں فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابن عبدالحکم کی مختصر کبیر اور صغیر کی شرح لکھی۔ وہ اپنے وقت میں عراق میں امام مالکؒ کی رائے کے محافظ تھے۔ ساٹھ سال تک جامع منصور میں درس و فتویٰ دیتے رہے۔ عراق میں قاضی اسماعیلی کے بعد تلامذۂ مالکؒ میں کوئی شخص ابہری سا برگزیدہ نہیں ہوا۔ اسی طرح اطرافِ ملک میں ان دونوں کے طبقے میں سحنون کے سوا مذہب میں ان دونوں کا کوئی ہم سر نہ تھا بلکہ ان کے تلامذہ

Marfat.com

اور تمام لوگوں سے زیادہ تھے۔ ان کے پیرو اور لوگوں سے زیادہ افضل تھے اور ان کے طلبہ اور لوگوں سے زیادہ برگزیدہ تھے۔ مذکورہ کتابوں کے علاوہ ابہری کی تصنیفات میں الرد علی المزنی، کتاب الاصول اور کتاب اجماع اہل مدینہ وغیرہ ہیں۔ ان کی موت کے بعد عراق میں، امام مالکؒ کا مذہب ضعیف ہوگیا۔ انہوں نے ۳۹۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

(۱۰) ابو عبداللہ محمد بن عبداللہؒ المعروف بابن ابی زمنین البیری۔ وہ کبار فقہاء اور محدثین میں تھے۔ مغرب فی المدونہ تصنیف کی اور اس کے اشکال اور اس کے نکات میں جو نقد تھا اس کی شرح کی۔ اس کے ساتھ اس کے الفاظ کا قصد کیا اور اس کی روایت کو ضبط کیا۔ مدونہ کے مختصرات میں اس کا مثل نہیں ہے۔ کتاب المنتخب فی الاحکام اور کتاب المہذب وغیرہ لکھی۔ ۳۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوالحسن علی محمد بن خلف المعافریؒ المعروف بابن القابسی۔ وہ وسیع الروایہ، علم حدیث، اس کے علل اور رجال کے عالم، فقیہ اور اصولی تھے۔ مفید کتابیں تصنیف کیں مثلاً کتاب الممہد فی الفقہ، احکام الدیانۃ اور کتاب الملخص الموطا۔ ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) قاضی عبدالوہاب بن نصرؒ البغدادی المالکی۔ بہت اچھے مناظر اور جید العبارۃ تھے۔ ابہری کے کبار تلامذہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد بغداد سے ناراض ہوکر مصر میں آئے اور مصر نے ان کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں مثلاً کتاب النصر لمذہب امام دار الہجرۃ، والمعونۃ لمذہب عالم المدینۃ، کتاب الادلہ فی مسائل الخلاف اور رسالہ ابن ابی زید اور مدونہ وغیرہ کی شرح کی۔ انہوں نے ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الحفریؒ المعروف باللبیدی۔ وہ مشاہیر علمائے افریقہ سے تھے۔ ابن ابی زید اور ابوالحسن القابسی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ ایک بہت بڑی کتاب مذہب میں جو بڑی بڑی دو سو جلدوں سے زیادہ مدونہ کے مسائل اور اس کے بسط میں تھی اور زیادت الامہات اور نوادر الروایات اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار میں لکھی جس کا نام ملخص رکھا۔ انہوں نے ۴۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس التمیمیؒ۔ وہ فقیہ، امام اور فرائض دان تھے۔ ہمیشہ جہاد میں مصروف

رہتے تھے اور شجاعت کے ساتھ متصف تھے۔ ایک کتاب فرائض میں تالیف کی اور کتاب جو مدونہ کی جامع تھی اس میں اس کے علاوہ اور اضافات کیا۔ انہوں نے ۴۵۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی۔ اندلس میں علم حاصل کیا، پھر مشرق کا سفر کیا اور وہاں بہت سا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد اپنے ملک میں واپس آئے۔ وہ ابن حزم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے ہیں۔ ان کے متعلق ابن حزم کا قول تھا کہ قاضی عبدالوہاب کے بعد اصحاب مذہب مالکی میں ابوالولید الباجی کا مثل کوئی نہ تھا۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں مثلاً کتاب الاستیفا فی شرح الموطا اور موطا ہی کی شرح میں کتاب المنتقی جو استیفا کا اختصار تھی اور کتاب السراج فی علم الحجاج، کتاب مسائل الخلاف، کتاب المہذب فی اختصار المدونہ، کتاب شرح المدونہ، کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول وغیرہ۔ انہوں نے ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالحسن علی بن محمد الربعیؒ المعروف باللخمی قیروانی۔ وہ صفاقس میں آئے۔ فقیہ اور فاضل تھے۔ انہوں نے مدونہ پر ایک بڑی تعلیق لکھی ہے جو مفید اور عمدہ ہے لیکن انہوں نے اس میں اختیار و تخریج کی ہے اس لیے ان کے اختیارات مذہب سے نکل گئے ہیں۔ انہوں نے ۴۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد رشد القرطبیؒ۔ اندلس اور مغرب میں اپنے وقت کے فقہاء کے سردار تھے اور صحتِ نظر، جودتِ تالیف اور دقتِ فقہ میں ان کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی۔ کتاب البیان والتحصیل لما فی المستخرجہ من التوجیہ والتعلیل، کتاب المقدمات لاوائل کتب المدونہ لکھی اور یحییٰ بن اسحاق کی تالیف میں سے ان کی مبسوط کتابوں اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کا، جس کی یحییٰ نے تہذیب کی ہے، اختصار کیا۔ انہوں نے ۵۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی المازری الصقلیؒ۔ اہلِ افریقہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے۔ شیوخِ افریقیہ میں وہ سب سے آخری شخص تھے جو تحقیقِ فقہ میں مشغول تھے اور اجتہاد اور دقتِ نظر رکھتے تھے۔ فقہ اور اصول میں کتابیں لکھیں اور مسلم اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب التلقین کی شرح کی۔ مالکیوں میں اس کے مثل کسی کی کتاب نہیں۔ امام الحرمین کی برہان کی شرح لکھی اور محصول من برہان الاصول

Marfat.com

اس کا نام رکھا۔ انہوں نے ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المعافری الاشبیلیؒ۔ اپنے شہر میں ادب حاصل کیا۔ پھر بلادِ مشرق کا طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے، جن میں ایک امام غزالی بھی تھے، ملاقات کی اور بہت سا فائدہ حاصل کیا۔ مسائلِ خلاف و اصول و کلام میں مہارت پیدا کی۔ پھر بہت سا علم حاصل کر کے اندلس میں واپس آئے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصنیفات میں سے کتاب احکام القرآن، کتاب المسالک فی شرح الموطا امام مالک اور کتاب المحصول فی اصول الفقہ ہیں۔ انہوں نے ۵۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی السبتیؒ۔ اپنے وقت میں حدیث و تفسیر کے امام، فقیہ، اصول و احکام کے واقف، شروط کے عاقد اور امام مالکؒ کے مذہب کے حافظ تھے۔ ابنِ رشد ان کے شیوخ میں ہیں۔ انہوں نے مفید کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں اکمال العلم فی شرح صحیح مسلم۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مشارق الانوار فی تفسیر غریب الموطاء والبخاری ومسلم اور کتاب ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالکؒ وغیرہ ہیں۔ انہوں نے ۵۴۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) اسماعیل بن مکی العوفیؒ۔ وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد سے ہیں۔ سرحد اسکندریہ میں ان کا خاندان بہت بڑا اور علم میں مشہور ہے۔ وہ شرح التہذیب المعروف بالعونیہ کے مؤلف ہیں جو چھتیس جلدوں میں ہے۔ دیباج کا مؤلف اس کی ایک جلد سے واقف ہوا جو اس سے نقل کی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی بڑی پچاس جلدوں کا ایک ٹکڑا ہے، صرف سجود و تلاوت کی بحث میں شمار کیا گیا تو اس کے ساڑھے پانچ کراریس ستائیس سطروں کی سطر میں نکلیں (۲۹۷۰ سطریں)۔ انہوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشدؒ الشہیر بالحفید۔ ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی۔ اندلس میں علم، کمال و فضل کے لحاظ سے کوئی ان کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ ان کی بہترین تصنیفات میں کتاب بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد فقہ میں ہے جس میں انہوں نے اختلاف کے اسباب و علل بیان کیے ہیں اور نہایت مفید باتیں کہی ہیں۔ اس لیے ان کے وقت میں اس کتاب سے زیادہ مفید اور اس سے زیادہ

Marfat.com

خوش ترتیب کوئی کتاب معلوم نہیں ہوتی۔ انہوں نے اصول میں مستصفیٰ کا خلاصہ کیا۔ ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو محمد عبداللہ بن نجم بن شاس الجذامی السعدیؒ۔ انہوں نے امام غزالیؒ کی وجیز کی ترتیب پر امام مالکؒ کے مذہب میں ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے الجواہر الثمینہ فی مذہب عالم المدینہ رکھا۔ اس کی خوبی اور کثرتِ فوائد کی بنا پر مصر میں تمام مالکی اس کی طرف سخت مائل تھے۔ انہوں نے ۶۱۰ھ میں وفات پائی۔

کبار فقہائے شافعیہ اس دور میں جو اکابر شافعیہ امام شافعیؒ کے مذہب میں تالیف اس کی اشاعت اور اس کی کتابوں کی اصلاح کے ساتھ ممتاز ہوئے اور ان میں اکثر عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے رہنے والے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) ابو اسحاق ابراہیم بن احمد المروزیؒ۔ اپنے زمانہ میں فتویٰ و تدریس کے امام تھے۔ ابن سریج سے فقہ سیکھی اور اس میں ماہر ہوئے اور ابن سریج کے بعد عراق میں ان کو ریاست ملی۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور مزنی کی شرح لکھی۔ بغداد میں ایک زمانے تک درس و فتویٰ دیتے رہے اور ان کے تلامذہ میں بہت سے لوگ برگزیدہ ہوئے۔ اس کے بعد اخیر عمر میں انہوں نے مصر کا سفر کیا اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی اور امام شافعیؒ کے قبر کے قریب مدفون ہوئے۔

(۲) ابو احمد محمد بن سعید بن ابی القاضی الخوارزمیؒ۔ وہ علمی خاندان سے ہیں۔ ابو بکر الصیرفی، ابو اسحاق اور ان دونوں کے طبقے سے فقہ کی تعلیم پائی۔ فقہ شافعیہ میں وہ کتاب الحاوی والعمدۃ القدیمین کے مصنف ہیں۔ ماوردی اور فورانی نے یہ دونوں کتابیں ان سے پڑھی ہیں۔ اصول میں ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہدایہ ہے۔ انہوں نے کچھ اوپر ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابو بکر احمد بن اسحاق الضبعی النیشاپوریؒ۔ فقہ میں انتہائی درجہ کو پہنچے اور کتاب الاحکام تصنیف کی۔ انہوں نے ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو علی الحسین بن الحسینؒ المعروف بابن ابی ہریرہ۔ وہ شیوخ و ائمہ شافعیہ میں سے ایک ہیں۔ ابن سریج سے فقہ سیکھی اور مختصر کی شرح لکھی۔ انہوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) قاضی ابو الساتب عتبہ بن عبیداللہ بن موسیٰؒ۔ وہ علمائے ائمہ میں سے ایک ہیں، اور شافعیہ میں

پہلے شخص ہیں جو بغداد میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ انہوں نے ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۶) قاضی ابوحامد احمد بن بشر المروزیؒ۔ وہ ابو اسحاق کے تلامذہ میں ہیں۔ انہوں نے کتاب الجامع تصنیف کی جو اصول و فروع پر حاوی ہے اور اس میں نصوص و وجوہ مذکور ہیں جو اصحاب شافعی کے نزدیک بہترین کتاب ہے۔ انہوں نے مختصر مزنی کی شرح لکھی اور ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن اسماعیل المعروف بالقفال الکبیر الشاشیؒ۔ وہ ماوراء النہر کے فقہائے شافعیہ میں بہت بڑے فقیہ ہیں۔ اصول فقہ میں ان کی ایک کتاب ہے۔ انہوں نے رسالہ کی شرح لکھی ہے۔ ماوراء النہر میں انہی کے ذریعہ سے فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی۔ انہوں نے ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابوسہل محمد بن سلیمان الصعلوکی۔ انہوں نے ابو اسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد نیشاپور واپس آکر قیام کیا اور درس و فتویٰ دیتے رہے۔ انہوں نے ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ الداراکیؒ۔ نیشاپور میں درس دیا اور ابو اسحاق مروزی فقہ کی تعلیم حاصل کی اور عامۂ شیوخ بغداد نے ان سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابوالقاسم عبدالواحد بن الحسین الصمیریؒ۔ وہ مذہب کے حافظ اور بہترین مصنف تھے۔ ان کے حلقۂ درس سے ایک جماعت نکلی جس میں ایک ماوردی تھے۔ ان کی تصنیفات میں الافصاح فی المذہب ہے اور کتاب الکفایہ، کتاب فی القیاس والعلل اور ایک چھوٹی سی کتاب ادب المفتی والمستفتی ہے اور ایک کتاب فی الشروط ہے۔ انہوں نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوعلی الحسین بن شعیب السنجیؒ۔ وہ خراسان کے عالم ہیں اور پہلے شخص ہیں جس نے عراق و خراسان کے دونوں طریقوں کو جمع کیا۔ وہ اور قاضی حسین قفال کے برگزیدہ تلامذہ میں ہیں۔ انہوں نے شرح مختصر لکھی، اور امام الحرمین اسی کو المذہب الکبیر کہتے ہیں۔ انہوں نے تلخیص ابن القاص اور فروع ابن الحداد کی شرح بھی کی ہے۔ انہوں نے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) ابوحامد احمد بن محمد الاسفرائنیؒ۔ وہ طریقہ عراق کے شیخ، مذہب کے امام اور حافظ تھے۔ دارکی سے فقہ کی تعلیم پائی یہاں تک کہ ایک امام ہو گئے اور بغداد میں دین و دنیا کی ریاست ان کو ملی۔

شرح مزنی کے متعلق ان سے یادداشتیں لکھی گئیں۔ ان کے زمانہ میں اصحاب ابی حنیفہ کے امام ابوعبداللہ الصیمری ان کے معاصر تھے۔ ان کے متعلق قدوری کا قول تھا کہ وہ امام شافعیؒ سے زیادہ فقیہ اور مناظر تھے۔ انہوں نے ۴۰۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالحسن احمد بن محمد مرزبیؒ المعروف بابن المحامی۔ وہ شیخ ابی حامد کے کبار تلامذہ میں ہیں۔ مجموع، مقنع اور رباب وغیرہ تصنیف کی اور شیخ ابوحامد سے ان کی ایک یادداشت ہے جو ان کی طرف منسوب ہے۔ انہوں نے ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) عبداللہ بن احمدؒ المعروف بالقفال الصغیر۔ وہ کبار فقہائے خراسان میں ہیں۔ مذہب شافعی کے متعلق ان کا مہذب طریقہ، جس کو ان کے تلامذہ نے ان سے سیکھا، نہایت مضبوط، نہایت واضح التہذیب اور نہایت کثیر التحقیق ہے۔ اور وہ خراسان میں ویسے ہی ہیں جیسے ابوحامد اسفرائنی عراق میں تھے۔ انہوں نے ۴۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائنیؒ۔ وہ ائمہ شافعیہ میں بہت بڑے امام ہیں۔ اصولِ فقہ میں ایک یادداشت تصنیف کی۔ انہوں نے ۴۱۸ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالطیب طاہر بن عبداللہ الطبریؒ۔ وہ بہت بڑے امام ہیں۔ بغداد میں ان تک ریاست علمیہ پہنچی اور اہل عراق نے ان سے علم حاصل کیا۔ مزنی کی شرح لکھی اور خلافِ مذہب اور جدل میں بہت سی کتابیں لکھیں جن کا مثل کسی کی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا۔ قاضی صیمری کے بعد ربع الکرخی کے قاضی مقرر ہوئے۔ ابوالحسن الطالقانی اور قدوری کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں۔ انہوں نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ۔ وہ فقہ میں حاوی اور اقناع کے اور احکام السلطانیہ وغیرہ کے مصنف ہیں۔ بصرہ میں صیمری سے فقہ کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد شیخ ابوحامد الاسفرائنی کی طرف سفر کیا اور دونوں شہروں میں درس دیا۔ انہوں نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابوعاصم محمد بن احمد الہروی العبادیؒ۔ وہ زیادات، مبسوط، ہادی اور ادب القضاۃ کے

Marfat.com

مصنف اور مشکل عبارت اور پیچیدہ کلام لکھنے میں مشہور ہیں۔ انہوں نے اس میں اپنے استاد ابو اسحاق کے طرز کی تقلید کی ہے۔ انہوں نے ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابو القاسم عبدالرحمٰن بن محمد الفورانی المروزیؒ۔ وہ ابانہ اور عمدہ وغیرہ کتابوں کے مصنف اور ابوبکر قفال کے کبار تلامذہ میں ہیں اور اہل مرو کے شیخ ہیں۔ انہوں نے ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) ابو عبداللہ القاضی الحسین المروزیؒ۔ انہوں نے قفال سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ امام الحرمین کے استاد ہیں۔ انہوں نے ۴۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) ابو اسحاق ابراہیم بن علی الفیروزآبادی الشیرازیؒ۔ وہ فقہ میں تنبیہ و مہذب کے اور خلاف میں نکت کے اور لمع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ میں تبصرہ کے اور جدل میں ملخص اور معونہ کے مصنف ہیں۔ فصاحت و مناظرہ میں ضرب المثل تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ فقہ کے اصول و تفریع میں وہ ابن سریج کے قائم مقام اور طلبہ کی کثرت میں ان کے مشابہ تھے۔ ابو عبداللہ امغانی الحنفی کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں۔ انہوں نے ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) ابو النصر عبدالسید بن محمد المعروف بابن الصباغ۔ وہ شامل، کامل، عدۃ العالم والطریق السالم اور کفایۃ السائل والفتاویٰ کے مصنف ہیں۔ بغداد میں ان کو شافعیہ کی ریاست ملی۔ وہ ابو اسحاق شیرازی کے مشابہ تھے اور وہ پہلے شخص ہیں جس نے نظامیہ بغداد میں درس دیا۔ انہوں نے ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو سعد عبدالرحمٰن بن مامون المتولیؒ صاحب التتمہ جس کو انہوں نے اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ پر تصنیف کیا اور اس میں حدود تک پہنچے۔ فرائض میں ان کی ایک مختصر کتاب ہے اور ایک کتاب خلاف میں ہے۔ انہوں نے شیخ ابو اسحاق کے بعد نظامیہ میں درس دیا۔ ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۴) ابو المعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینیؒ المعروف بامام الحرمین۔ اپنے والد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور فقہ، اصول اور کلام میں نیشاپور بلکہ کل مشرق کے امام ہو گئے۔ مکہ میں چار سال تک مجاورت کی اور وہیں سے امام الحرمین کا لقب حاصل کیا۔ جب وہ نیشاپور واپس آئے تو نظام الملک نے ان

کے لیے مدرسۂ نظامیہ قائم کیا۔ ان کی تصنیفات میں فقہ میں ایک کتاب نہایہ ہے کہ مذہب میں اس کے مثل، جیسا کہ سبکی کا بیان ہے، کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ اور اصولِ فقہ میں ایک کتاب برہان اور ترجیح مذہب شافعی میں ایک کتاب مغیث الخلق ہے۔ ان کے معاصر ابو اسحاق شیرازی نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ انہوں نے ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۵) ابو المحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانیؒ صاحب البحر۔ وہ ائمہ مذہب میں سے ایک امام ہیں اور حفظ میں ضرب المثل ہیں۔ نظام الملک ان کی عظمت کرتا تھا اور ان کو طبرستان اور اس کے دیہاتوں میں سے رویان کا قاضی مقرر کیا۔ وہ ۵۰۲ھ میں مقتول ہوئے۔ ان کی کتاب بحر سے ماوردی کی کتاب حاوی مراد ہے جس کے ساتھ انہوں نے چند فروع جن کو اپنے باپ اور دادا سے حاصل کیا ہے، شامل کیا۔

(۲۶) حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالیؒ۔ ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے۔ امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور کوشش کر کے مذہب، خلاف، جدل، اصولِ فقہ، کلام اور منطق میں مہارت حاصل کی اور حکمت اور فلسفہ پڑھا۔ امام الحرمینؒ "بحر ذخار" (لبریز دریا) کے لفظوں کے ساتھ ان کی تعریف کرتے تھے۔ امام الحرمین کی وفات کے بعد وہ بغداد گئے اور نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے۔ وہیں مذہب میں بسیط، وسیط، وجیز اور خلاصہ اور اصولِ فقہ میں مستصفیٰ، نخول، ہدایۃ الہدایہ، خلافیات میں ماخذ اور شفاء الغلیل فی بیان مسائل التعلیل وغیرہ کتابیں مختلف علوم میں تصنیف کیں۔ انہوں نے ۵۰۵ھ میں طوس میں وفات پائی۔ غزالی کے بعد کوئی شخص ان کا مثل نہیں پیدا ہوا۔

(۲۷) ابو اسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم العراقیؒ الفقیہ المصری۔ وہ مہذب کے شارح اور مصر کی جامع عتیق کے امام اور خطیب تھے۔ طلب علم میں عراق کا سفر کیا، پھر مصر آئے اور اسی وجہ سے عراقی مشہور ہوئے۔ وہ قاہرہ میں معزز تھے اور وہاں کے فقہاء نے ان سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۵۹۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۸) ابو سعید عبداللہ بن محمد بن ہبۃ اللہؒ المعروف بابن ابی عصرون التمیمی الموصلی۔ وہ دمشق

Marfat.com

میں آکر مقیم ہوئے اور وہاں کے قاضی القضاۃ تھے۔ پہلے موصل میں، پھر بغداد میں فقہ کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد موصل میں درس دیا اور اخیر میں دمشق میں آئے اور ۵۷۳ھ میں وہاں کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی تصنیفات سے سات جلدوں میں صفوۃ المذہب علی نہایۃ المطلب، کتاب الانتصار، مرشد، الذریعۃ فی معرفۃ الشریعہ اور علم خلاف میں تیسیر ہے۔ ان کی ایک کتاب الارشاد فی نصرۃ المذہب ہے جس کی تکمیل انہوں نے نہیں کی۔ ان کے علاوہ اور کتابیں ہیں۔

(۲۹) ابو القاسم عبدالکریم بن محمد القزوینی الرافعی۔ وہ وجیز کی شرح کبیر الموسوم بالعزیز فی شرح الوجیز کے مصنف ہیں۔ بعض لوگ اس کا نام فتح العزیز بتلاتے ہیں۔ وہ محرر کے مصنف اور مسند شافعی کے شارح ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی اور کتابیں ہیں۔ ان کے شرف کے لیے ان کی کتاب فتح العزیز کافی ہے کیونکہ وہ ان کتابوں میں ہے جن کا مثل نہیں۔ رافعی اپنے زمانہ میں فرد اور فقہ میں عمدۃ المحققین تھے اور درجۂ اجتہاد تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ۶۲۳ھ میں وفات پائی۔

(۳۰) محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری النووی ۶۳۱ھ میں بہ مقام نوی پیدا ہوئے۔ وہ آخر المحققین اور اصحاب شافعی میں ان لوگوں میں ہیں جن کو درجۂ ترجیح حاصل تھا۔ انہوں نے کتاب الروضہ تصنیف کی جو شرح کبیر رافعی کا اختصار ہے اور اس سے اپنی کتاب المسمی بالمنہاج کا اختصار کیا۔

Marfat.com

چھٹا دَور

فتح بغداد سے جو ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوئی ابتک
یہ دَور تقلیدِ محض کا ہے

سیاسی صورت حال ترکی یا تورانی قوم کو جو ایک بہت بڑی قوم ہے اور مختلف قبائل سے مرکب ہے، جب بلاد اسلامیہ میں چانگیزی کے اسباب میسّر ہوئے تو اس نے اس کے اصلی ممالک کے علاوہ اس کے بہترین مقامات پر قبضہ کر لیا اور اپنے راستے میں اس نے کوئی ایسی قوّت نہیں پائی جو اس کو اس کی پامالی سے روک دیتی۔ یہاں تک کہ وہ بلادِ شام تک پہنچ گیا۔ یہاں نہر جالوت پر مصریوں نے ان کا مقابلہ کیا جن کی سپہ سالاری مظفر قطز ممالیک بحریہ کا تیسرا بادشاہ کرتا تھا، اور ان کو سخت شکست دی جس کی وجہ سے مصر اور شام ان کے غلبہ سے محفوظ رہ گیا۔ لیکن باوجود ان کی کامل فتح اور اکثر بلادِ اسلا پر غلبہ حاصل کرنے کے اسلامی قوّت نے ان کی گردن جھکا دی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلا قبول کرنے میں تو ان کی قسم شمالی جو نہر تل پر مقام سرائے میں تھی اور قسم غربی جو بغداد اور ایرانی ممالک رہتی تھی، دونوں برابر تھیں۔ لیکن قسم شمالی نے ایک صدی پیشتر اسلام قبول کر لیا تھا۔ مصر و شام پر جس کا قبضہ تھا وہ بھی ترکی قوم تھی اور یہی لوگ ممالیک کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح مغربی ممالک علاوہ جن میں برابرۂ مغرب کی سلطنت قائم تھی، تمام ممالکِ اسلامیہ میں ترکوں کا اقتدار قائم ہو گیا آٹھویں صدی کی ابتدا میں ترکی ایشیا میں ایک بلند ہمت اور بہادر آدمی یعنی عثمان کمق جو ایک قبیلہ کا سردار تھا، نمایاں ہوا اور اس نے اپنی قوم کے لیے بقایائے آلِ سلجوق کے کھنڈر پر جو ہمیشہ ایشیائے وسطیٰ میں رہتے تھے، ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد اس کی اولاد ان چھوٹے چھوٹے ملکوں پر، جو ان کے متصل تھے، قبضہ کرتی رہی، یہاں تک کہ ان کی

Marfat.com

بڑی سلطنت قائم ہوگئی۔ اس کے بعد انہوں نے یورپ پر حملہ کیا اور اس کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گئے۔ نویں صدی کے نصف حصے میں ان کے ہاتھوں شہر قسطنطنیہ فتح ہوا جو بعد کو ان کا دارالسلطنت ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں پر حملہ کیا جن میں سب سے بڑی سلطنت مصری سلطنت تھی جو خلافتِ اسلامیۂ عباسیہ کا مرکز تھی۔ اس پر غلبہ حاصل کر کے آخری خلیفۂ عباسی کو وہاں سے ہٹا دیا اور اس کے بعد ان کے بادشاہ خلفاء کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اس طور پر خلافت قاہرہ سے منتقل ہو کر قسطنطنیہ میں آگئی اور مصر ایک عثمانیہ ملک ہو کر دفعۃً سیاسی اور علمی حیثیت سے اپنے مقامِ بلند سے گر گیا۔ لیکن دولتِ عثمانیہ آگے بڑھی اور قوت نے اس کو مدد دی، یہاں تک کہ بڑے بڑے اسلامی ممالک اس کے زیرِ اقتدار آگئے اور اس کی عظمت کے سب سے بڑے وقت میں بلادِ اندلس میں اسلام کا چراغ جو آٹھ صدی تک علم و ادب کے ساتھ روشن رہ چکا تھا، بجھ گیا اور تیرہویں صدی کے آغاز میں تقدیرِ الٰہی نے مصر میں ایک نہایت بلند رتبہ اور صحیح الرائے شخص یعنی محمد علی کو پیدا کیا اور مصر نے اس کو اپنا امیر اور اپنی کشتی کا ناخدا انتخاب کیا اور اسی وقت سے مصر نے اپنی قوت اور اپنے درجہ کو واپس لینا شروع کیا۔ اسی زمانہ میں یورپ اسلام کے اقتدار سے لڑنے کے لیے کھڑا ہوا اور علم نے اس کے اکثر ارادوں کو پورا کیا اور اب تک یہ نزاع قائم ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس کا انجام کس کے حق میں مفید ہوگا۔

اس دور میں اجتہاد اس دور میں لکھنے کے لیے مجھے کوئی چیز واضح طور پر نظر نہیں آتی کیونکہ اس میں اجتہاد کی ہوائیں رک گئیں اور اس میں ایسے امتیازات موجود نہیں جو لکھنے والے سے لکھوائیں اور بولنے والے سے بلوائیں۔ پہلے دور میں جب کہ خداوند تعالیٰ اپنے شرائع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر وحی کرتا تھا اور خداوند تعالیٰ جو کچھ نازل کرتا تھا آپؐ اس کی تبلیغ کرتے تھے اور لوگوں کے لیے اس کو بیان فرماتے تھے، اور دوسرے اور تیسرے دور میں جب کہ صحابہؓ اور تابعینؒ خدا کی کتاب، اس کے رسول کی سنت اور رائے صحیح سے استنباط کے طریقے بناتے ہیں۔ اور چوتھے دور میں جب کہ کبار ائمہ اور بڑے بڑے فقہاء پیدا ہو کر اس پھل کو توڑنے اور مفصل طور پر احکامِ شریعت کو جمع کرنے لگے۔ اور پانچویں صدی میں جب کہ ترتیب و تہذیب اور احتیاط و ترجیح کا دور تھا، گفتگو کی وسیع گنجائش تھی۔ لیکن اس

اخیر دَور میں جس کی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں، ایک کہنے والا کیا کہہ سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ دَور ہم سے ملا ہوا ہے اور ہم کو اپنے اسلاف صالحین کی اقتداء کے لیے اٹھنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہم اس عہد کے عیوب کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ عیوب جب ظاہر ہو جاتے ہیں تو جو لوگ صاحب فکر اور صاحب مقدرت ہیں ان کے لیے اس کی تدبیر کے لیے آمادہ ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔

تقلید جامد (۱) اس دَور کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح جاگزیں ہو گئی۔ چنانچہ چند علماء کے علاوہ ہم کو کوئی عالم ایسا نظر نہیں آتا جو رتبۂ اجتہاد کو پہنچا ہو اور وہ بھی اس دَور کے نصف اوّل میں۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ قاہرہ بغداد کا قائم مقام بنا ہوا تھا۔ سلطنتِ عباسیہ اور خلافتِ عباسیہ کا مرکز ہوا۔ اس زمانے میں وقتاً فوقتاً ایسے لوگ پیدا ہوئے جو درجۂ اجتہاد تک پہنچے۔ تاہم وہ مشہور ائمہ کے انتساب کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے۔ لیکن اس دَور کے نصف ثانی میں جو دسویں صدی کی ابتدا سے شروع ہوا حالت بدل گئی اور نشانِ راہ میں تغیر واقع ہوا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لیے اختیار و ترجیح جائز نہیں۔ اس کا زمانہ گذر گیا۔ قدماء کی کتابوں اور لوگوں کے درمیان دیوار حائل ہو گئی ہے اور ان کو صرف ان کتابوں پر قناعت کرنی چاہیے جو ان کے سامنے ہیں اور عنقریب ہم ان کتابوں کا حال لکھیں گے۔

جب ہم اس حالت کی طرف واپس آتے ہیں جو سلطنتِ مصر کے مفتوح اور خلافت کے منتقل ہونے سے پہلے اس کی تھی، تو ہم کو عزبن عبدالسلام، ابن الحاجب، ابن دقیق العید، ابن الرفعہ، ابن تیمیہ، سبکی، ابن سبکی، ابن القیم، بلقینی، اسنوی، کمال، ابن الہمام، جلال الدین المحلی اور جلال الدین سیوطی کے نام ملتے ہیں اور یہ لوگ مذاہب اربعہ کے بہترین لوگوں میں تھے۔ اس کے بعد ہم لگاتار لیتے ہیں تو کسی بڑے عالم، بڑے فقیہ اور عمدہ مصنف کا نام نہیں سنتے بلکہ ایک ایسی قوم کو پاتے ہیں جس پر قناعت فی الفقہ کا غلبہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ تم کو ایسے کم لوگ ملیں گے جو اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب میں مشغول ہوں۔ اور جب اپنے مذہب میں بھی مشغول ہوتے ہیں تو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرتے ہیں جن میں اس قدر اختصار ہے کہ گویا وہ سمجھنے کے لیے نہیں لکھی گئیں۔ غالباً اسی زوال

Marfat.com

نے علم یا خصوص مذہبی علم کو ایک نہایت گہرے غار میں گرا دیا اور مصر نے جب اپنے شرف کو دوبارہ واپس لینا شروع کیا تو اس کو ایسے مواقع پیش آئے جن کو ہم بیان کرتے ہیں۔

(۲) اسلامی شہروں کے علماء کے تعلقات کا منقطع ہونا۔

گذشتہ دور کے فقہاء میں کوئی فقیہ، فقیہ کا لقب اور کامل احترام صرف اس وقت حاصل کرتا تھا جب وہ اپنے شہر کے علماء کے علاوہ سفر کرکے اور شہروں کے علماء سے کسب علم کرتا تھا۔ چنانچہ ان میں بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے اپنے شہر میں قیام کیا اور پھر ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا گیا۔ کبار ائمہ اور محدثین کی تاریخ پر نظر ڈالو تو تم سب کو مشغول سفر پاؤ گے۔ ابھی ایک شہر میں اترے تھے کہ حدیث وفقہ کے حاصل کرنے کے لیے دوسرے شہر کو روانہ ہو گئے۔ زمانۂ حج میں ان لوگوں کا اجتماع مکہ میں ہوتا تھا اور ہر ایک کے پاس علم، حدیث اور فکر کا جو سرمایہ ہوتا تھا اس سے دوسرا فائدہ اٹھاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے کے علماء میں کامل تعارف ہوتا تھا اور باوجود مشکلات سفر کے یہ ان کے احباب میں اضافہ اور ان کے دوستانہ تعلقات کو قوی کرتا تھا۔ لیکن دور بالخصوص اس کے آخری حصے میں مختلف شہروں کے علماء کے تعلقات منقطع ہو گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ ایک مصری عالم تقریباً ایک ہندی عالم کا نام نہیں سنتا تھا۔ اور ایک ہندوستانی عالم ایک مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا، علی ہذا القیاس البتہ ان میں کسی کی کتاب پہنچ جاتی تھی تو اس موقع پر اس کا نام سنا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات اس کی کتاب مشہور ہو جاتی تھی۔ سب سے زیادہ درد انگیز بات یہ ہے کہ تم کو زمانۂ حج میں مختلف ملکوں کے لوگ ملیں گے لیکن ان میں کوئی اس کی پروا نہیں کرتا کہ دوسرے سے تعارف یا اس سے کوئی رشتہ ہے اور اس طرز عمل نے علوم اسلامیہ شرعیہ بلکہ اس کے علاوہ قدماء کے اور علوم کو جن کا دار ومدار ثبت اور اخذ پر ہے، ضعیف کر دیا۔ صرف یہی کافی نہیں کہ کسی عالم کی رائے سے اس کی کتاب کے ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ کتاب ایک خاموش اور ٹھوس چیز ہے۔ البتہ دوسرے سے ملنا ذہن کو تیز اور فکر کو بار آور کرتا ہے، کیونکہ اس میں بحث وگفتگو کرنی پڑتی ہے۔ ہم اس صدی پیشتر کی حرکت علمیہ کا وہ حال جانتے ہیں جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان

ہیں نہیں جانتے۔

(۳) ائمہ کی کتابوں سے بے تعلقی۔

ہمارے اسلاف کی یہ عظیم الشان کتابیں جن کو تقدیر نے ہمارے لیے چھوڑ رکھا ہے، صرف ایک یادگار کے طور پر رہ گئی ہیں اور بہت دنوں سے کوئی شخص ان کی اور ان کے درس و تدریس کی پروا نہیں کرتا۔ امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ وغیرہ ائمہ، ان کے تلامذہ بلکہ پانچویں صدی کے دَور کے ائمہ کی ان کتابوں کی طرف، جو روح کو غذا دیتی ہیں، ہمت کو برانگیختہ کرتی ہیں اور فقیہ کامل پیدا کرتی ہیں، کوئی عام توجہ نہیں کرتا، نہ ان کا درس دیتا، نہ ان سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ بلکہ تم کو بڑے بڑے علماء ملیں جو ان کے نام بھی نہیں سنتے اور جب تمہارے ہاتھ میں ان کتابوں میں سے کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو کہتے شخص ان کے پڑھنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ ان لوگوں نے صرف ان کتابوں پر اکتفاء کر لیا ہے جو زمانہ میں لکھی گئی ہیں اور اس طور پر روایتِ صحیحہ مفیدہ کے لحاظ سے ہم میں اور ان کتابوں کے درمیان تعلق منقطع ہو گئے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی کوئی شخص ہمت بلند کر لیتا ہے تو عمومی یا خصوصی کتب خانوں میں سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔ حالانکہ اگر تم ان کا مقابلہ متداول کتابوں کے ساتھ کرو تو تم کو حُسنِ سلاستِ اسلوب اور سہولتِ ماخذ کے لحاظ سے دونوں میں بہت زیادہ فرق نظر آئے گا۔ لیکن ہمت اور ضعفِ عزم نے ہم کو بٹھا دیا ہے اور قریب ہے کہ وہ ہم کو ہلاک کر دے۔

میں نے شیخ محمد محمود بن التلامید الترکزی الشنقیطی سے پہلی بار ملاقات کی تو انہوں نے سوال کیا کہ "تم نے ادب عربی کس سے سیکھا ہے"؟ میں نے جواب دیا کہ "کتابوں سے" بولے "تم معلم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔" میں نے کہا "تو اے جناب میں کیا کروں؟ ہم میں اور ان کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ اس لیے نہ کوئی معلم ہے، نہ کوئی اسناد کا پہنچانے والا۔ میں نے آپ کو دیکھ لیا تو یہی میرے لیے کافی ہے۔" میرے اس جواب سے ان کا چہرہ چمک اٹھا اور "انشاء اللہ"۔ لیکن اگر وہ تھوڑا سا غور کرتے تو ہم کو معذور سمجھتے۔ کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف علم کے درمیان تاریکیوں کا زمانہ حائل ہو گیا ہے۔ صرف تھوڑی سی جو نلچھٹ باقی رہ گئی ہے وہ زیر

Marfat.com

کو بھائی ہے نہ مرض سے شفا دیتی ہے۔ اس لیے ہم ایسی ہمت کے کس قدر محتاج ہیں جو ان کتابوں کو ان دہرانوں سے نکالے اور لوگوں کے رُخ کو ان کی طرف پھیر دے تاکہ علوم اسلامیہ میں ہمارے درجے بلند ہو جائیں اور اس وقت ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم میں فقہاء موجود ہیں۔

مطالب میں خلل انداز اختصار | اختصار صرف اسی دَور کی بدعت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت چوتھے دَور میں بھی موجود تھی کیونکہ ائمہ کے تلامذہ نے ان کے کلام کا اختصار کیا تھا۔ اور اس اختصار میں انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جن مسائل کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی ان کو حذف کر دیا تھا۔ اور ائمہ نے جن چیزوں کو غیر مرتب طور پر لکھا تھا ان کو انہوں نے مرتب کیا تھا۔ بڑے بڑے علماء نے اس معاملہ میں ان کی تقلید کی تھی۔ لیکن اسی دَور کے آخر میں اختصار نے ایک عجیب و غریب روش اختیار کی یعنی یہ کوشش کی جانے لگی کہ بہت سے مسائل تھوڑے سے الفاظ میں جمع کر دیئے جائیں۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کو عربیت کا اچھا سلیقہ نہ تھا اس لیے ان کا کلام معما کے مثل ہو گیا۔ گویا مؤلف سمجھنے کے لیے نہیں لکھتا تھا بلکہ اس لیے لکھتا تھا کہ مسائل کو جمع کر دے۔ اس اختصار کا نمونہ دکھانے کے لیے میں ایک موضوع پر تین کتابوں سے ایک [illegible] ہوں جو کہ تینوں مشہور مذاہب کے طالبان فقہ کی متداول کتابوں میں سب سے زیادہ [illegible] ہیں۔ [illegible] یہ موضوع وہ پانی ہیں جن سے طہارت جائز یا ناجائز ہے۔

[illegible] سے [illegible] خلیل کے علم میں [illegible] اپنی مختصر میں لکھتا ہے:

[illegible] ناپاکی اور نجاست کا حکم "مطلق" سے اٹھ جاتا ہے اور وہ وہ ہے جس پر بلا قید پانی کا نام صادق آسکے اگرچہ وہ ہے وہ شے سے جمع کیا گیا ہو، چاہے جم کر پگھلا ہوا ہو، یا چوپایہ کا یا حائضہ کا یا جنبی کا جھوٹا یا ان کی طہارت سے بچا ہو، یا زیادہ ہو، اور ایسی نجس چیز سے مخلوط ہو جس نے اسے بدل نہ دیا ہو، یا اس کے جھوٹے والے کی طہارت میں شک ہو، چمڑے تیل کی قربت سے، یا مسافر کے برتن کے نمازیوں کے ہاتھ سے یا اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اس کے تہ نشین میں کسی ڈالی ہوئی چیز مثلاً مٹی یا نمک سے بدل گیا ہو چاہے وہ قصداً ڈالی گئی ہو، اور نمک سے "سب" زیادہ راجح ہے۔ اس سے نہیں جس کا رنگ یا مزہ یا بو کسی ایسی چیز سے بدل گئی ہو جو اس سے عموماً جدا ہوتی ہے۔ وہ چاہے

پاک ہو، چاہے ناپاک مثلاً ملا ہوا روغن یا مصطگی کا بخار اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے۔ اور آب کشی کے اونٹ کی رسی سے بدنا مضر ہے مثل حوض کے مویشی کے گوبر سے یا مثل کنویں کے درخت کے پتوں یا حبس سے، اور جنگل کے کنویں میں ان دونوں سے جواز ظاہر ہے، اور موافق ملنے والے کا حکم مخالف ملنے والے کے مثل قرار دینے میں بحث ہے۔ ایسے پانی سے طہارت کے متعلق جو منہ میں ڈالا گیا ہو، دو قول ہیں، اور حدیث میں مستعمل مکروہ ہے، اس کے نجس میں شک ہے، اور تھوڑا مثلاً وضو اور غسل کا برتن ایسے نجس سے جس نے بدلا نہ ہو، یا کتے نے جھوٹا کر دیا ہو، اور تھما پانی جس میں غسل کیا جاتا ہو اور شرابی کا جھوٹا یا جس میں اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو، اور جو نجس پانی سے بے میل نہ ہو، اس سے احتراز مشکل ہو تو نہیں، یا غذا ہو مثلاً کشمش، اور اگر اس کے منہ پر سیرابی حاصل کی جائے اس کے استعمال کے وقت اس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی جنگلی جانور جس کا خون بہتا ہو، ٹھہرے ہوئے پانی میں مر جائے، اور اس کو نہ بدلے، ان دونوں کے بقدر پانی کا ناکافی مستحب ہوگا، مر کر گرا ہو تو نہیں، اور اگر نجس کا تغیر زائل ہو جائے نہ کثرت مطلق سے تو طہوریت اس کے ساتھ مستحسن ہے، اور عدم طہورت ارجح ہے، اور خبر واحد کی قبول کی جائے گی، اگر ان دونوں نے اس کی وجہ بیان کی یا مذہب میں متفق ہوئے، اور نہ کہا کہ اس کا ترک مستحسن ہے اور نجاست پر پانی کا گرنا اس نجس کے مثل ہے[1]۔

یہ وہ تین کتابیں ہیں جو ہمارے زمانے میں تینوں شائع شدہ مذاہب میں سے ایک ایک طالب علم کو عالم بناتی ہیں۔ لیکن تم کو نظر آتا ہے کہ بحیثیت تعبیر کے وہ تنہا سمجھ میں نہیں آسکتیں، یہی وجہ ہے کہ وہ شرح کی محتاج ہوئیں اور شرح کو حاشیہ کی ضرورت پڑی۔ اور تم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ موضوع دو ہفتوں سے کم میں پڑھایا جاتا ہوگا۔ اور ان دو ہفتوں کا بڑا حصہ بھی مؤلف کے مقصد کے سمجھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تم کو نظر آتا ہے کہ یہ کتابیں استدلال سے خالی ہیں اور اس طرح غیر تعلیم یافتہ میں اس موقع پر اس کے سوا کوئی

[1] چونکہ ان عبارتوں کا ترجمہ بالکل غیر مفہوم ہو جاتا تھا، اس لیے ہم نے بقیہ دو کتابوں کی عبارتوں کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔

نمایاں فرق نظر نہیں آتا کہ تعلیم یافتہ شخص کو ایسے مسائل معلوم ہیں جو غیر تعلیم یافتہ شخص کو معلوم نہیں۔ لیکن یہ کہ مسئلہ کو اس کے امام نے کیسے دلائل سے کیونکر نکالا ہے، تو تعلیم یافتہ شخص کو بھی اس کا علم نہیں ہے۔ حالانکہ فقہ کا تکملہ صرف اسی طریقہ سے ہوتا ہے۔ اور بدیہی طور پر ان کتابوں میں بقیہ ائمہ کے خلاف کا اثر بھی نہیں پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے طالب العلم پر حسنِ فہم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس نے ہمارے فقہاء کو ہمارے درمیان نہایت پست رتبہ کر دیا ہے اور وہ عوام سے قریب تر ہو گئے ہیں۔ حنفیہ کی بعض متداول کتابیں مثلاً کتاب البدایہ اور اس کی شرح ہدایہ کو بے شبہہ یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان میں دلائل اور اختلافات سے بھی تعرض کیا گیا ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کی کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کے حدود پر آکر ٹھہر گئے تو اس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں۔ اور ایک فقیہ کتنا ہی عالی مرتبہ ہو جائے لیکن اس کے امکان میں یہ نہیں کہ اپنے امام کی مخالفت کرے اور مذہب کے دو قولوں میں سے ایک کو ترجیح دے کیونکہ ترجیح دینے والوں کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اس لیے دلائل میں مشغول ہونے اور دوسرے ائمہ کی رایوں سے واقفیت حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ لیکن ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت ٹھیک ہوتا جب کہ طالب العلم عوام میں سے ہوتا جو صرف کسی حکم کو جاننا چاہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ فقہاء بننا چاہتے ہیں ان کا کم از کم یہ درجہ ہے کہ وہ یہ بھی جانیں کہ ان کے امام نے حکم کو کہاں سے اخذ کیا ہے۔ اگر ان کو اس کے مخالف کی رائے اور طریقۂ استنباط بھی معلوم ہو جائے تو اس سے ان کے علم میں اور اضافہ ہو سکتا ہے۔ اب جب ان کے علم میں ترقی ہوگی تو کون ان کو ان اسلاف سے کم درجہ قرار دے گا جو خود اپنے پیشرو علماء کے اقوال میں سے، جن کے وہ مقلد تھے، اچھے اقوال کا اپنے لیے انتخاب کرتے تھے۔ اور جب اس مرکب پر، جس کو جمہور علماء نے پسند کر لیا ہے، درجہ فقیہ آکر ٹھہر گیا ہے تو قانون شرعی کو یقیناً ضعیف نہ بننا چاہیئے کیونکہ اس کے علماء کوئی رائے اور فکر نہیں رکھتے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ روزانہ کے آثار اس کے واقعی ہونے کی شہادت دیتے رہتے ہیں۔ کیا یہ عجب بات نہیں ہے کہ وہ تمام کتابیں جو دورِ رفعتِ اسلامیہ یعنی چوتھے اور پانچویں دور میں لکھی گئیں، گمنام ہو گئی ہیں اور چلے آتے ہیں صرف وہ کتابیں رہ گئی ہیں جو زمانۂ تاخر و زوال اور عربی زبان کے ضعف کی حالت میں لکھی گئیں۔ طالبانِ اصلاح کے لیے، اگر وہ مخلص ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ ہر چیز سے پہلے اپنے

Marfat.com

اسلاف کے آثار سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ وہ آثار خدا کے فضل سے بہ کثرت ہیں اور ان میں بہت سے نہایت ترقی یافتہ زبان میں لکھے گئے ہیں جو طالب العلم کو اپنی زبان کے بہتر بنانے اور اپنی قوتِ فکر کے ترقی دینے میں مدد دیتے ہیں۔ اور جب قلم سے ان برے آثار کے واضح کرنے کا وہ کیا جاتا ہے، جو متعلم کے دل میں فقہ کی متداول کتابوں سے پیدا ہوتے ہیں، تو وہ مبہوت و حیران ہو کر رک جاتا ہے۔

ہمارے یہاں دو مواقع ایسے موجود ہیں جو ہمارے درمیان فقہ کو پیدا نہیں ہونے دیتے۔

(اولاً) یہی کتابیں جو ہمارے سامنے ہیں جن کا ہم نے کافی بیان کر دیا ہے۔

(ثانیاً) طریقۂ تعلیم کیونکہ گذشتہ زمانوں میں ایک فقہ کے طالب العلم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتاب و سنت میں جس چیز سے احکام مستنبط کیے جاتے تھے، ان کا احصاء کرتا تھا۔ اس کے بعد اپنے امام کے فتویٰ کے معلوم کرنے میں اپنا اکثر وقت صَرف کرتا تھا اور جب درس حاصل کرنا چاہتا تھا تو اپنے ائمہ مذہب کی ان رایوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا جن میں انہوں نے اپنے امام سے اختلاف کیا ہے اور اس مخالفت کے وجوہ بھی معلوم کرتا تھا۔ ان سب کے تکملہ کے بعد دوسرے ائمہ کی رایوں کی جستجو کرتا تھا تاکہ اپنے امام کے مستنبطات کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے جب وہ اس تیسرے درجہ کی تکمیل کر لیتا تھا تو ایک صاحبِ اقتدار اور صاحبِ نظر فقیہ ہوتا تھا۔ لیکن ہمارے یہاں مبتدی اور منتہی میں مسائل کی کثرت اور قلّت کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور مذہب شافعی میں ابو شجاع کی منہج کی یہی امتیازی خصوصیت ہے۔ لیکن مسائل کی کثرت ایسی چیز نہیں ہے جو نفس میں فقہ کی روح پیدا کر سکے۔ تیسرے درجہ میں [illegible] منتہی کا وہ درجہ ہے جس کی ہم تشریح کر چکے، کا طالب علم صرف فقہ سے سروکار رکھتا تھا اور اس کو دوسرے علوم کے ساتھ مخلوط نہیں کرتا تھا لیکن ہمارے نظامِ درس میں مبتدی اور منتہی کی تعلیم بالکل یکساں ہے۔ جس طرح پہلا بہت سے علوم کے مبادی میں مشغول رہتا ہے وہی حال دوسرے کا بھی ہے۔ اس لیے جب وہ امتحان میدان میں آخری کامیابی حاصل کرتا ہے تو نہ وہ فقیہ ہوتا ہے، نہ ادیب، نہ فیلسوف بلکہ

Marfat.com